www.shibliinternational.com

Sep. 2021 ستمبر

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ڈاکٹر رادھا کرشنن

یوم پیدائش: ۵/ستمبر ۱۸۸۸ء

گاندھی جی

یوم پیدائش: ۲/اکتوبر ۱۸۶۹ء

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

Issue43 شمارہ_Vol4 جلد

ستمبر: Sep :2021

ماہنامہ
حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر
ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید
امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد
بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد
نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 2000

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli, Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	غزل	رفیعہ نوشین	۱۰
۵	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۶	غلام احمد شاہ مہجور کی فارسی ادب کو دین	ڈاکٹر جاوید احمد ملا	۱۳
۷	منقبت	رہبر پاپ گڑھی	۱۸
۸	ظلم کا سہنا ظالم کی پشت پناہی ہے	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۹
۹	غزل	ڈاکٹر رحیم رامش	۲۱
۱۰	ہمدردی	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۲
۱۱	گزر جا ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے	فاروق طاہر	۲۴
۱۲	غزل	جلیل نظامی	۲۸
۱۳	مسافر کی دستک	نیاز جیراج پوری	۲۹
۱۴	غزل	آفتاب عالم رضوی	۳۰
۱۵	میں سانولی ہوں	آبینا زعلی جان	۳۱
۱۶	ڈاکٹر شکیل احمد اور ''طرازِ قلم''	اسامہ ارشاد معروفی	۳۵

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان** اعظمی، مقیم حال ممبئی... جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی** ۔صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد... مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ) مقیم حال دبئی... ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد... الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد... الحاج **محمد عبدالکریم** ۔صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہِ ستمبر کی ۵ تاریخ کو ہندوستان میں یومِ اساتذہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ اسی دن ہمارے پہلے صدر جمہوریہ رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے، وہ خود پیشۂ تدریس سے طویل وقت تک وابستہ رہے اور انہوں نے اساتذہ کی اہمیت کو معاشرے کے لیے سب سے اہم قرار دیا۔ کرونا وبا کی وجہ سے جو تعلیمی نظام درہم برہم ہوا، وہ بہت ہی تشویشناک ہے، کیونکہ جہاں ایک طرف طلبا اور طالبات ایک طویل وقفے سے کلاس سے دور ہیں اور تادمِ تحریر ابھی بھی دور ہیں۔ ان حالات میں مجبوراً یا ضرورتاً طلبا وطالبات کو نئی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کا حسین موقع میسر ہوا، لیکن اس سے صلاحیت اور صالحیت دونوں پر اکثر مثبت کے بجائے منفی اثرات مرتب ہوئے، کئی تنظیموں نے سروے کیا تو اس میں بیشتر کی رائے یہی رہی کہ آن لائن سے وقت کی بربادی اور فکری خرابی نظر آئی اور کچھ ایسی بھی مثالیں سامنے آئیں، جنہوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور سماج کے لیے مثال قائم کردی۔ راقم الحروف اللہ کی رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ اس طرح کے حالات کا اعادہ نہ ہوتا کہ طلبا وطالبات کے تابناک مستقبل میں رخنہ نہ پڑے، دوسری طرف اکثر اساتذہ برادری کا ناگفت بہ حال رہا، خاص طور پر پرائیویٹ، عارضی تقرر والے تو اپنی خدمات اور تنخواہ سے بھی محروم کردیے گئے، یا انہیں نصف تنخواہ پر طوعاً وکرہاً قناعت کرنا پڑا۔ یوم اساتذہ کے موقع پر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ پورے ملک کا سروے کرا کے اساتذہ کو ان کا مستحق مقام متعین کرے اور پرائیویٹ انتظامیہ کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس مقدس پیشے کا خاطر خواہ احترام کریں۔

حالیہ چند ماہ میں بہت سے علماء، ادباء، شعراء اور دانشوران جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، جن کا نعم البدل ملنا بہت مشکل ہے۔ انہیں میں بلبلِ دکن پروفیسر فاطمہ پروین بیگم، سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہیں، جنہوں نے اپنی تدریسی، تقریری، تحریری صلاحیتوں کے فکری انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، جو پسِ مرگ زندہ ہونے کی یاد دلاتے رہیں گے۔ ادارہ ان کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے اور اسی طرح دکن کی اور اردو دنیا کی عظیم شخصیت استاذ محترم پروفیسر محمد بیگ احساس، سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف حیدرآباد کی چند دن پہلے اسی ماہ میں داغِ مفارقت دے گئی۔ بیگ احساس صاحب اردو کے نفیس انسان تھے، جن کی نفاست کو ان کی افسانوی اور تنقیدی تحریروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت اور جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان، شاگردان اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ ادارہ ان کی ادبی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ دل کانپ اٹھا، جب میں نے یہ خبر سنی کہ میرے دیرینہ رفیق مالک سنابل بکڈپو مغل پورہ مولانا عبدالحئی قاسمی صرف عمر کی بیالیس بہاریں دیکھنے کے بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت اور جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل دے۔ آمین

کیا بھروسہ ہے غمِ بے باک کا ☆ سانس پہ چلتا ہے یہ پتلا خاک کا

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

مساوات: (آپؐ کی نظر میں امیر وغریب، صغیر وکبیر، آقا وغلام سب برابر تھے، سلمانؓ وصہیبؓ وبلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپؐ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ وبلالؓ ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کے گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جاکر ان بزرگوں سے کہا بھائیو، آپؐ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے، ان لوگوں نے کہا نہیں، خدا تم کو معاف کرے۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی، اسامہؓ بن زید جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجا، آپؐ نے فرمایا ''اسامہ! تم کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو''۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو جمع کرکے خطاب فرمایا ''تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا ہے تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے''۔

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہوکر آئے تھے، قیدیوں کو زرِفدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپؐ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِفدیہ معاف کردیں، آپؐ نے فرمایا نہیں، ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے ان کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر وغریب، صغیر وکبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہؓ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے، جو بہت کم سن تھے، بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہؓ تھے، کہیں سے دودھ آیا، آپؐ نے نوش فرما کر عبداللہؓ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں، انہوں نے عرض کی ''اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کرسکتا، چوں کہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا، آپؐ نے ان ہی کو ترجیح دی۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۶۲/۲۶۳)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

ڈاکٹر شباب الدین

ڈاکٹر شباب الدین (پ: یکم جولائی ۱۹۵۸ء) صدر شعبہ اردو شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ اچھے استاذ، ممتاز اہل قلم اور کئی کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں ان کے طرز تحریر میں بڑی شائستگی اور سنجیدگی ہے۔ سر سید کے ساتھ وہ شبلی کے بھی بڑے شیدائی ہیں، مولانا عبد السلام ندوی کے تو عاشق زار ہی ہیں، ان پر ڈاکٹر شباب الدین کا پی ایچ ڈی کا شاندار مقالہ شائع ہو چکا ہے، مولانا عبد السلام ندوی کی حیات وخدمات پر یہ پہلا بھر پور مقالہ ہے۔ اس سے قبل ڈاکٹر شباب الدین نے ایم فل کے لئے ''دار المصنفین کی ادبی خدمات کا تعارف'' کا عنوان لیا تھا اور اچھا مقالہ لکھا ہے یہ بھی شائع ہو چکا ہے، گویا شروع ہی سے ان کے مطالعہ وتحقیق کا مرکز توجہ دبستان شبلی رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں متانت، سنجیدگی اور وقار کا پہلو نمایاں ہے۔

وہ جب سے شبلی کالج سے وابستہ ہوئے یوم شبلی کی رونق بڑھ گئی، کالج میں شبلی کی اہمیت اور ان کے کارناموں کے مطالعہ کا شوق بڑھ گیا، انھوں نے کالج میں متعدد سمینار منعقد کر کے شبلی اور فکر شبلی کی تفہیم کا دروازہ کھول دیا، یہاں پر ڈاکٹر افتخار احمد صاحب سابق پرنسپل شبلی کالج کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ ڈاکٹر شباب الدین صاحب کی راہ میں روشن چراغ کی طرح روشنی بکھیرتے رہے۔

ڈاکٹر شباب الدین صاحب نے شبلی پر بہت کچھ لکھا ہے مگر چونکہ وہ ہمارا موضوع نہیں اس لئے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شباب الدین صاحب نے ۲۰۰۷ء میں شبلی کی ۱۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر بین الاقوامی سمینار منعقد کیا جس میں ملک وبیرون ملک کے ممتاز اہل قلم نے شرکت کی، راقم بھی شریک بزم تھا۔ اس سمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ ''علامہ شبلی نعمانی معنویت کی بازیافت'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس پر ڈاکٹر صاحب نے بہت مفصل اور طویل مقدمہ لکھا ہے اور حق تو یہ ہے کہ مقدمہ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے دل میں شبلی کی کیا عظمت ہے، اس کے ایک اقتباس سے ظاہر ہے، وہ شبلی کے سیاسی شعور کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''علامہ شبلی نے عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا مگر دنیا میں رونما ہونے والے سیاسی انقلابات پر ان کی گہری نظر تھی، ان کا اپنا ایک الگ سیاسی نظریہ بھی تھا، بالخصوص مسلم سیاست کے تمام پہلوؤں پر وہ بڑی عالمانہ رائے رکھتے تھے، ان کی سیاسی فکر سے ملک کے بعض مقتدر رہنماؤں نے اپنی اپنی فکر کے چراغ روشن کئے، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ کے سیاسی مسلک پر علامہ شبلی کے فکر کی گہری چھاپ نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

علامہ شبلی نے سیاست کے موضوع پر کوئی مستقل کتاب تو نہیں لکھی لیکن ان کی نظموں، مقالوں اور خطبوں میں ان کے سیاسی افکار جگہ جگہ ملتے ہیں"۔(علامہ شبلی معنویت کی بازیافت ص ۱۹)

سیاسی موضوع پر علامہ شبلی کا مقالہ مسلمانوں کی پولیٹکل کروٹ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

سید شفیق احمد اشرفی

پروفیسر سید شفیق احمد اشرفی (پ: یکم جون ۱۹۶۲ء) استاذ شعبہ اردو خواجہ معین الدین، عربی، فارسی یونیورسٹی لکھنؤ نے یونیورسٹی میں منعقدہ شبلی سمینار کے مقالات کا مجموعہ مرتب کیا ہے۔ نام "شبلی شناسی" ہے۔ اس میں علامہ شبلی کی شخصیت اور ان افکار وخیالات پر بڑے اچھے مقالات جمع ہوگئے ہیں، اس کا پیش لفظ اشرفی صاحب نے لکھا ہے، انھوں نے شبلی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

"علامہ ایک شخص نہیں ایک شخصیت تھے۔ ایک ذات نہیں ایک انجمن تھے، اور ایک فرد نہیں ایک ادارہ تھے۔ بعض شخصیات کسی ایک میدان کی شہسوار ہوتی ہیں اور اسی پر ان کی شناخت کا دار ومدار ہوتا ہے۔ لیکن علامہ شبلی ایک کثیر الجہات اور جامع الکمالات شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بیک وقت ایک عالم، ادیب، شاعر، نقاد، محقق، فلسفی اور ماہر تعلیم تھے"۔(شبلی شناسی ص ۸)

ڈاکٹر خالد ندیم

ادیب، شاعر، ناقد، محقق ڈاکٹر خالد ندیم (پ: ۹/ فروری ۱۹۶۳ء) شبلی شناسی کے میدان میں سب سے آخر میں آئے لیکن انتہا کو پہونچ گئے۔ ان کی کتاب "شبلی کی آپ بیتی" بے نظیر کتاب ہے۔ مکمل شبلی کی بازیافت کا جو خواب قدرداناں شبلی برسوں سے دیکھ رہے تھے اسے ڈاکٹر خالد ندیم نے شرمندہ تعبیر کیا وہ تمام اہل علم کے شکریہ اور قدردانی کے مستحق ہیں۔

یہی نہیں انھوں نے ایک اور تحقیقی کارنامہ انجام دیا، "شبلی شکنی کی روایت اور دوسرے مضامین" لکھ کر شبلی کی تنقیص کرنے والوں کی کم مائیگی ظاہر کردی ہے۔ وہ اپنے گہرے تنقیدی شعور اور وسیع مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ:

"علامہ شبلی نعمانی محض ایک عالم، ایک معلم، ایک مورخ، ایک سوانح نگار ایک نقاد یا شاعر ہی نہ تھے بلکہ وہ مسلمانان ہند کے اولین رہنما تھے۔ جس نے ان کی دینی، تعلیمی، سماجی، تہذیبی اور سیاسی ضرورتوں کو سمجھا اور پھر ان کے حصول کے لئے ہمہ جہت جد وجہد کی۔ انھوں نے کبھی مصلحت سے کام نہ لیا بلکہ جس امر کو ہندی مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ناگزیر جانا اس کے لئے ذاتی مفاد ہی نہیں، دیرینہ ذاتی حتی کہ جذباتی تعلقات تک کو قربان کردیا۔ مطالعہ حیات شبلی سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تگ وتاز کا یہی ایک مقصد رہا، چنانچہ انھوں نے جو کچھ کہا، جو کچھ لکھا اور جو کچھ کیا ان تمام کا تعلق مسلمانوں کی بیداری سے تھا، نوجوانی میں انھوں نے وکالت کے آزاد پیشے پر فرق اپنی جیسی معمولی ملازمت کو ترجیح دی، علی گڑھ میں تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ مسلم طلبہ کی تربیت کی طرف متوجہ رہے۔ روم ومصر وشام کی علمی سیاحت میں اہل وطن پیش نظر رہے۔ علی گڑھ اور دیوبند کے اوصاف کو ندوہ میں یکجا کرنے کی کوشش کی۔ وقف اولاد کا قانون منظور

کرایا۔ اشاعت اسلام کا منصوبہ بنایا۔ نماز جمعہ کی رخصت کے لئے تحریک شروع کی۔ خدام الدین کا آغاز کیا۔ تصحیح اغلاط تاریخی کا صیغہ بنایا۔ مستشرقین کی طرف سے پھیلائی جانے والی تاریخی غلط فہمیوں کا تدارک کیا، حتی کہ زندگی کے آخری دنوں میں دار المصنفین کی بنیاد رکھی"۔ (شبلی کی آپ بیتی، ص۹)

علامہ شبلی کی حوصلہ مندیوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"شبلی والد کی دوسری شادی کے باعث پریشان ہوتے ہیں، دوستوں کی بے اعتنائی انھیں رلاتی ہے، بے روزگاری سے دکھی ہوتے ہیں، علی گڑھ میں تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ ندوہ میں مخالفوں کا مقابلہ کرتے ہیں، مرحوم والد کے ذمے تیس ہزار روپئے کا قرض اتارتے ہیں، لیکن زندگی کے کسی دور میں مایوس نہیں ہوتے بلکہ علم وآگہی کی نئی نئی جہتوں اور فکر وخیال کے نت نئے پہلوؤں کے متلاشی رہتے ہیں"۔

آج پاک وہند میں مسلمانوں کی بقا اور ان کی تہذیبی اقدار کے تحفظ میں سرگرم عمل اداروں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر علامہ شبلی کے خوابوں کی عملی تعبیر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شبلی کے خواب، شبلی کے خیالات، شبلی کے ارادے، شبلی کی جدوجہد اور شبلی کے اعصاب، یہ سب مزید مطالعات، تحقیقات اور استخراج نتائج کے متقاضی ہیں"۔ (ایضاص۹۔۱۰)

علامہ شبلی کی خوبصورت اور دلآویز کتاب زندگی کا سب سے بدنما باب ان کی تنقیصات ہیں۔ اس کی طویل داستان ہے، ان تنقیصات کا سب سے پہلے ڈاکٹر ابن فرید نے پردہ چاک کیا۔ ان کا مقالہ "شبلی چوں بہ خلوت می رود" آج بھی قابل مطالعہ ہے، دوسری کوشش سید شہاب الدین دسنوی کی کتاب "شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں" ہے۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش ڈاکٹر خالد ندیم کی کتاب "شبلی شکنی کی روایت" ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کتابوں نے شبلی کے شفاف چہرے پر لگے بدنما داغ کو آئینہ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر خالد ندیم کے بہت سے خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے تاہم ان کے جذبہ اخلاص پر شبہہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کا یہ خیال کس قدر اہم ہے کہ:

"میں کسی بھی فنکار کی بے جا مخالفت کو ادبی بد دیانتی تصور کرتا ہوں، میں کسی طور شبلی کا وکیل نہیں اور نہ ہی اس کا اہل ہوں لیکن جہاں کہیں شبلی نعمانی کی ذات یا علمی کارناموں پر تنقیص ہوتی ہے میں تڑپ اٹھتا ہوں۔ ادبی تنقید سے کسے مفر ہے اور کون ہے جو اس سے مستغنی ہو لیکن شبلی نعمانی اور علامہ اقبال کو ادبی تنقید کا سامنا نہیں بلکہ ان پر ہونے والی تنقید کا تعلق ذاتی تعصبات سے ہے"۔
(شبلی شکنی کی روایت ص۱۱)

ڈاکٹر علاء الدین خاں

ہمارے دوست ڈاکٹر علاء الدین خاں (پ: ۲۰ رمئی ۱۹۶۶ء) علامہ شبلی کی یادگار شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ میں تاریخ کے استاذ ہیں۔ شبلی صدی کے موقع پر اور اپنے استاذ کی خواہش پر بیاد شبلی کے نام سے ایک مجموعہ مقالات مرتب کیا ہے۔ جس میں اہل علم کے عمدہ مقالات شامل ہیں جس سے علامہ شبلی کی شخصیت کے بعض نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

ڈاکٹر علاء الدین صاحب نے اس پر ایک مفصل مقدمہ لکھا

ہے جس میں علامہ شبلی کے تاریخی ذوق اور ان کی تاریخی نگارشات کا بالتفصیل تجزیہ پیش کیا ہے اس کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

''شبلی نے ہندوستان کی مسخ شدہ تاریخ کو مثبت انداز میں پیش کرنے کا جو اسلوب و انداز اپنایا تھا وہ یقیناً ہماری نئی نسل کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ اسی طرز سے ملک کے ساتھ وفاداری، دوسری قوموں کے ساتھ ہمدردی، گذشتہ تاریخ سے دلچسپی اور باہم رواداری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے''۔ (بیاد شبلی ص ۹)

تمام تجزیوں کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ

''شبلی نے تاریخ ہند کا جس گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا ہے، موجودہ عہد کے محققین کو اسی اسلوب و معیار کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے متعلق نام نہاد غیر مسلم مورخین نے جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں اور ان کے دامن پر ظلم و تعدی کے جو داغ لگائے ہیں یا ان کی پر عظمت تاریخ کو جس انداز سے بدنما کرنے کی کوشش کی ہے ان کا اسی معیار و انداز میں جواب دیا جاسکے تاکہ بدگمانیوں کا سلسلہ ختم ہو''۔ (ایضاً ص ۲۶)

رفیعہ نوشین۔ حیدرآباد

غزل

ایک مدت سے لاپتہ ہے لحاظ
جیسے دنیا سے اٹھ گیا ہے لحاظ

وہ کسی اچھے خاندان کا ہے
اس کے لہجے میں بولتا ہے لحاظ

بحث کی اس سے تلخ لہجے میں
پھر بھی میرا وہ کر رہا ہے لحاظ

بات مت کیجئے لحاظ کی اب
اب کہاں کوئی کر رہا ہے لحاظ

رہ کے پہلو میں بھی نہیں چبھتا
پھول کا خار کر رہا ہے لحاظ

وقت مجھ پر کبھی نہیں آیا
وقت کا میں نے بھی کیا ہے لحاظ

میں بھی جدت پسند ہوں لیکن
میرؔ صاحب کا بھی رکھا ہے لحاظ

اونچے کردار کا ہے وہ نوشینؔ
جاہلوں کا بھی کر رہا ہے لحاظ

عالی جناب محمود علی صاحب وزیر داخلہ تلنگانہ ماہنامہ ''تاریخ دکن'' کا معززین کے ساتھ رسم اجرا کرتے ہوئے۔
ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد ''تاریخ دکن'' کے مدیر ڈاکٹر سید حبیب امام قادری کو مبارکبادی پیش کرتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن۔حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

وَمَاجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ، اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (الانبیاء) ''اور اے نبی تم سے پہلے کسی انسان کو بھی ہمیشہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے نہیں بنایا گیا، تم مر گئے تو کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے''۔

عام انسانوں کی طرح ہر رسول کے لیے بھی غذا لازمی تھی اور کوئی رسول بھی ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے اور سورہ آل عمران ۱۴۴، الزمر ۳۰ میں بھی آپؐ کے وفات پانے کی بات ہے۔ اس کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ''جو محمدؐ کی پوجا کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ بلاشبہ مر گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا اس کو کبھی موت نہیں ہے'' (بخاری)۔ حیاۃ النبیؐ کی ہر بات کو غلط وجھوٹ ثابت کر دیتا ہے۔

نبی ﷺ کا جنات کے لیے بھی رسول ہونے کی بات قرآن کے خلاف محض غلو پر مبنی ہے، کیونکہ بشرِ رسول کے قانونِ الٰہی کے خلاف ہے اور قانونِ الٰہی یہ ہے:

۱) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (الانعام) ''اور اگر ہم کسی فرشتہ کو (ان کے لیے) رسول بنا کر بھیجتے تو (پہلے) اس کو بھی آدمی بناتے''۔

۲) قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) ''اے نبی کہو! ان سے اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے (آباد) تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے''۔

ان دونوں آیات میں اللہ نے بشرِ رسول کا قانون بیان فرمایا ہے۔ یعنی جو مخلوق ہوگی اس میں اسی میں کے فرد کو رسول بنایا جائے گا، یعنی انسان کے لیے انسان ہی اور جنوں کے لیے جن ہی رسول بنائے ہیں۔ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کی انسانوں کے لیے رسول بنایا گیا مثلاً:

۱) وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (النساء ۷۹) ''اور ہم نے اے نبی تم کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے''۔

۲) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۱۵۸) ''اے پیغمبر کہو اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔

۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا) ''اے پیغمبر! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الحج) ''اے نبیؐ اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تم سب کو کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں''

یہاں اِنَّمَا حصر کا کلمہ ہے، جس سے ثابت ہے کہ آپ کا

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہونا ناقابل انکار حقیت واقعہ ہے۔ دوسرے آپ کا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ہونا صرف انسانوں کے لیے ہے جنوں کے لیے نہیں۔

نبی ﷺ کا صرف انسانوں کے رسول ہونے کی تائید قرآن کی متعدد آیات سے ہوتی ہے، جن میں چند پیش ہیں: وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا (البقرہ ۱۴۳)'' ہم نے رسول کو تم ایمان والوں پر گواہ بنایا ہے''۔ یہی بات سورہ الحج ۷۸ میں بھی ہے۔ سورہ البقرہ ۱۵۰ میں فِیْکُمْ ''تم ہی میں'' اور مِنْکُمْ ''تم ہی سے'' اور سورہ النساء ۴۱ میں تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کو گواہ بنانے کی بات کہی گئی ہے اور سورہ احقاف ۲۹ اور سورہ جن کی ایک سے ثابت ہے کہ جنوں کا قرآن سننے کی بات کا علم نبی ﷺ کو وحی الٰہی کے ذریعہ ہی ہوا ہے۔

سب سے اہم بات جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کے لیے آپؐ کیسے رسول ہو سکتے؟ کیونکہ آپؐ بشر ہیں اور بشر کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ یہ حقیقت قرآن کو ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے سمجھ کر پڑھنے ہی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

انسان کی چار حالتیں

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَکُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ إِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ) ''اے لوگو! تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔

قَالُوْا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَأَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ إِلَیٰ خُرُوْجٍ مِنْ سَبِیْلٍ (مؤمن) ''(دوزخی) کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو (۲) مرتبہ موت دیا اور دو (۲) مرتبہ جلایا، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، پس کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے''۔ یعنی دو موت اور زندگیاں ان حالتوں کے عالم الگ الگ اور ان کے قوانین بھی الگ الگ ہیں۔

سورہ اعراف ۱۷۲ میں ہے کہ پہلی حالتِ موت میں رب سے تمام بنی آدم نے قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا ''سب نے کہا کیوں نہیں؟ (آپ ہی ہمارے رب ہیں) ہم سب گواہ ہیں'' کا اقرار کیا مگر یہ اقرار کیسے کیا یہ نہیں بتایا گیا، البتہ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ''تاکہ تم حشر کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس (اقرار) سے محض بے خبر تھے'' فرمایا ہے اور دنیا میں مرنے کے بعد وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (واقعہ) ''اور ہم تم کو ایسی جگہ پیدا کر دیں گے جس کو تم نہیں جانتے'' فرمایا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں مرنے کے بعد دوسری ایسی جگہ ہم کو منتقل کر دیا جاتا ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ یہاں ہم حالتِ موت میں حشر کے دن تک رہیں گے۔ اسی دوسری حالتِ موت میں بھی ایک زندگی ہے جس کا شعور دنیا والوں کو نہیں ہو سکتا، جیسا کہ فرمایا گیا

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ) ''اور اے ایمان والو! اُن کو مردہ مت کہو جو اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن وہ کیسے زندہ ہیں تم دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے''۔

ڈاکٹر جاوید احمد ملا۔جموں وکشمیر(ہندوستان)

غلام احمد شاہ مہجور کی فارسی ادب کو دین

خدا نے اپنے فضل وکرم، اپنے دست قدرت اور وفور رحمت سے کشمیر کو بے حد حسن و جمال سے نوازا ہے۔ یہ وادی گلپوش اپنے قدرتی نظاروں، مختلف رنگوں کے فلک بوس کوہساروں، تابان برفانی چوٹیوں، سرسبز جنگلوں، مختلف النوع پھلوں اور رنگ برنگ پھولوں، ترنم ریز آبشاروں اور شور مچاتی ندیوں کی وجہ سے تمام دنیا میں واقعی جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔جسکو دیکھ کر خود بخود شاعر کہہ اُٹھتا ہے ۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است، ہمیں است و ہمیں است

یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے سے یہاں مختلف قومیں آئیں اور یہاں بود و باش اختیار کی۔ کشمیر میں فارسی زبان دین اسلام کی بنیاد پڑنے کے ساتھ ہی آئی۔ عہد شہ میری سے لیکر دور حاضر تک فارسی زبان وادب کی ترویج میں جو نمایاں کارنامے انجام دئے گئے وہ سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اس طویل سفر میں کشمیر کو علم وادب کا گہوارہ بنانے میں جن شعراء، علماء اور ادباء کی مستحسن کوشش ذمہ دار ہیں۔ ان میں غلام احمد شاہ مہجور کی شخصیت اور شاعری ایک نمایاں اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

آپکی پیدائش ۱۲، ماہ شوال ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء بروز جمعرات پلوامہ کے ایک گاؤں متری گام میں ہوئی۔ آپکے والد پیر عبداللہ شاہ (۱۸۵۵-۱۹۱۰ء) فارسی اور عربی کے ایک اچھے عالم تھے۔ مہجور کی والدہ فارسی زبان کی مہارت رکھنے کے علاوہ ایک اچھی خوشنویس بھی تھی۔ مہجور کو صرف دو سال تک مادرانہ شفقت نصیب ہوئی۔ مہجور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن مجید کے علاوہ شیخ سعدی شیرازی کی ''گلستان و بوستان'' اور بعض دوسری فارسی کتابیں درساً پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ تین سال کی عمر میں ہی انہیں قصبۂ ترال کے عبدالعلی آخون عاشق ترالی کے مکتب میں داخل کیا گیا۔ اور وہاں تین سال کے مختصر عرصہ میں فارسی زبان وادب میں مہارت حاصل کی۔ نظامی کا ''پنج گنج'' پڑھنے کے بعد ۱۹۰۱ء میں شہر سرینگر کے مدرسہ نصرت الاسلام میں داخلہ لیا۔ لیکن یہاں زیادہ عرصہ تک اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔ بلکہ سید غلام محی الدین کی صحبت میں امرتسر چلے گئے۔ اور وہاں غلام علی کی زیر نگرانی خوشنویسی کے فن میں مہارت حاصل کی۔

امرتسر میں ہی اپنے قیام کے دوران مہجور کی ملاقات عبدالعلی بسمل سے ہوئی اور ان ہی کی سفارش پر مہجور اخبار ''البدر'' میں بحیثیت کاتب ملازم ہوئے۔ انہی دنوں میں محمد الدین فوق (۱۸۷۷-۱۹۴۵ء) نے اپنا ماہانہ رسالہ ''کشمیری میگزین'' اجراہ کیا تھا۔ اسے دیکھ کر مہجور کو فوق سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور لاہور جا کر ان سے ملے ۱۹۰۸ء میں مہجور واپس کشمیر آئے اور روزگار کی تلاش کرنے لگے۔ باپ نے اپنے آبائی پیشہ پیر مرید، اختیار کرنے پر اصرار کیا لیکن مہجور متفق نہ ہوئے۔ اسلئے اپنے زمانہ کے مشہور قلندر اور صوفی بزرگ شاہ عبدالرحیم قلندر صفاپوری کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے ارادہ پر قائم رہنے کی بشارت پائی۔

۱۹۰۸ء میں چودھری خوشی محمد ناظر نے مہجور کو چھ روپیہ ماھوار پر کرگل (لداخ) میں بحیثیت ''شجر کش'' تعینات کیا۔ پھر کچھ عرصہ اسلام آباد، کشمیر کی ایک عدالت میں نقل نویس کا کام شروع کیا۔ جلد ہی اسے بھی ترک کیا۔ اور بحیثیت پٹواری ان کا تقرر سیر کا تلی گنڈ میں ہوا اور ۱۹۴۵ء میں اسی عہدہ پر ریٹائر ہوئے ۱۹۴۷ء انہیں قومی کلچرل محاز کا نائب صدر چن لیا گیا۔ ۸، اپریل ۱۹۵۲ء کو حکومت کی طرف سے انہیں وظیفہ مقرر ہوا اور آخر کار ۹، اپریل ۱۹۵۲ء کو انتقال کر گئے۔ انکے جسد خاکی کو متری گام میں دفن کیا گیا۔ لیکن بعد میں بخشی غلام محمد نائب وزیر اعظم جموں وکشمیر کی خواہش پر انہیں ۱۱، اپریل ۱۹۵۲ء کو اتھواجن کے شعراء میں سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔

مہجور نے اپنی شاعری کی ابتداء تب کی جب ۱۹۰۵ء میں انجمن نصرت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں انہوں نے اپنی پہلی باقاعدہ نظم پڑھی ۔ موصوف کے اپنی ابتدائی شاعری فارسی اور اردو میں کی لیکن ۱۹۲۳ء سے آخری وقت تک اکثر کشمیری زبان میں لکھتے رہے۔ اور اسی زبان میں شہرت بھی پائی۔ ابتداء میں اپنا کلام حسین شاہ زیرک سے تصحیح کرتے تھے اور اسی کے کہنے پر ۱۹۰۵ء میں مہجور بطور تخلص اختیار کیا۔ انجمن نصرت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں جو نظم پڑھی وہ یوں ہے۔

صد ہزاراں شکر و منت سوی درگاہ خدا
کار ساز ھر دو عالم یاور ہر دوسرا
آن خداوندی کہ در یک طرفتہ العین از عدم
در وجود آورد مہر و انجم و ارض و سماں
ابن آدم را عطا کرد از ازل علم و ادب
تا کند فرق نمایاں در صواب و در خطا
وردئے تاریکی و ظلم و جہالت گزا
کرد بس روشن بہ نور پاک آں شمس الہدیٰ
یعنی آن خورشید رحمت منبع علم و ہنر
رہنمائے گمراہان شافع روز جزا
چشمۂ فیض ہدایت کردی جاری در جہاں
آں شہہ والا ہمم واں سر گروہ انبیاء
گر ہمی خواہی کہ یابی دولت دنیا و دین
گیر محکم دامن علم و ہنر اے با صفا
اندریں وقتے کہ ھر قومے پے اصلاح خویش
ہمت کذا شرقی از سر ہمت بیا
لیک اندر خواب غفلت خفتہ و مدہوش مست
بے خبر از گردش گردوں گرداں قوم
زاغ اندر باغ شد ساکن بجای عندلیب
باغبان بے درد گل چیں بی حیا گل بے وفا
گشتے این قوم در دریا ناپیدا کنار
سبیل بر سر موج زن در خواب غفلت نا خدا
دوش در حسرت فتادم خواب از من ام نمود
گفتم از سوز جگر اے چارۂ ہر بے نوا
رحم کن بر حال زار قوم من اے ذو المنن
و بے پناۂ عاجزاں آن مرزگار جزم ہا
آتش آہِ در دہانم بر زبان بد شعلہ زن
ناگہاں در گوشم آمد مژدۂ فرخت فرا
اے خدائے قوم از قلب حزیں غم دور کن
نغمۂ شکرانہ کن چوں عندلیب خوش نوا
نصرت الاسلام آں دارالعلوم کا شمیر
شد مزین از جلوس ز مرۂ اہل صفا
با دل خود گفتم ایں خواب است یا بیداری است
یا مگر سر سید آمدزئے اصلاح ما

نیز چرخ صفاحت عالم عالی خیال
حامی دین نبیؐ کا لبدر یطلع فی الدجلی
ھم محقق ھم مدقق میر مولانا رسول
نصرت الاسلام کرد شد صاحب صدق و صفا
بار در سر سبز شد نخل دادش در جہاں
از کمالِ جود و مہر سایہ فضل خدا
آں فریدوں و سکندر جمشید و داراشکوہ
وائے کشمیر ستیہ پرتاپ آں فرخ نوا
درد دل مہجور شد قوی محبت جوش زن
ورنہ شانِ این چنین محفل کجا و من کجا

اس نظم میں مہجور نے مولوی رسول شاہ کا خاص طور سے ذکر کیا ہے اور انہیں کشمیر کا سرسید کہا۔ پرتاپ سنگھ کا ذکر بھی اس نظم میں ملا ہے۔ مہجور کی حب الوطنی کا بھی ذکر ملتا ہے اور وطن کی ہر چیز کو نہ صرف عزیز رکھتے تھے بلکہ اسکی تعمیر و ترقی کے خواہش مند بھی نظر آتے ہیں۔ یہ فارسی نظم ۱۹۰۹ء میں ''کشمیری میگزین'' میں شائع ہوئی ہے۔

مہجور کو بچپن سے ہی علم و فضل کا ماحول ملا اور فارسی زبان کے اکثر علماء و اساتذہ کی شاگردی حاصل ہوئی۔ پہلے عاشق ترالی کی صحبت اور بعد میں بسمل امرتسری، مولانا شبلی نعمانی، منشی محمد دین فوق اور دوسرے شعراء کی ہمنشینی نے انکی شاعرانہ طبیعت کو برانگیخت کر دیا۔ سرکاری نوکری کے سلسلہ میں مختلف دیہات اور مقامات پر قیام اور عام لوگوں سے میل جول کے نتیجہ میں انکی طبیعت میں تبدیلی آگئی اور انکے شاعرانہ مزاق کو مزید فروغ ملا۔ چنانچہ مہجور سے اشعار کے چشمے پھوٹ پڑھے۔ جب ایک زبان میں اپنا قافیہ تنگ پایا تو دوسری زبانوں کا سہارا لیا۔ مہجور کی شعر گوئی کے ابتداء سے متعلق عبدالاحد آزاد لکھتے ہیں:

''انہیں ایک دوست کو خط لکھنے کی ضرورت پڑی جو علم و فضل میں اپنا مقام رکھتا تھا۔ مہجور نے چاہا کہ منظوم خط لکھا جائے۔ چنانچہ فارسی زبان میں پچیس اشعار کا خط لکھا۔ جسکا آخری شعر یوں تھا۔

شو نام من جمع کن یاد طلب
یک اندر دو چہار و چہل با چہار

اس منظوم خط سے مہجور کی فارسی میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

مہجور نے اپنے روحانی پیشوا اور صوفی بزرگ ''عبدالرحیم'' کی زندگی اور انکے کشف و کرامات سے متعلق ایک کتاب ''حیات رحیم'' لکھی۔ جسکی ابتداء مہجور نے اپنی ایک فارسی نظم نالۂ مہجور سے کی ہے اس نظم کو پڑھ کر ہی ایک قاری مہجور کی شاعرانہ عظمت سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے چند شعر درج ہیں۔

ای رفتار پیک خوش خرام
ای امین لعل و دُرہائے کلام
یاد گل دہ بُلبُل دیوانہ را
لذت سوزش دل پروانہ را
گرچہ مہجورم مہجوری چہ غم
بُلبُل از بوستان شاہدم

اس طرح درج ذیل اشعار جو کبھی مناجات کا انداز اختیار کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مہجور پر مثنوی معنوی کا اثر کا نتیجہ ہے اور اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا روم سے کس قدر متاثر تھے۔

مرسل سلطانِ خوبان جہاں
موردِ الطاف ہائے بیکراں
ای کرا طاقت کہ بنوسد جواب

بر پیامت سوی آں عالی جناب
دُرکش و غواص دریای علوم
عاشق سرباز مولانای روم
خواست چون داون جواب یک پیام
ھفت دفتر گفت ماندش نا تمام

مہجور شیریں سخن اچھے اوصاف کے مالک اور رنگین مزاج تھے۔ انہیں ہزاروں فارسی اشعار نوکِ زبان پر تھے اور بہت سارے عنوانات پر فارسی نظمیں لکھیں۔ پنجاب کا سفر جہاں انکے لئے حصول علم میں سود مند ثابت ہوا وہیں انکی طبیعت فارسی کے بجائے اردو کی طرف راغب ہوئی۔ چنانچہ اپنے اس سفر سے پہلے بہت ساری نظمیں فارسی زبان میں لکھی تھیں۔ لیکن اردو کیطرف انکی توجہ دیرپا ثابت نہ ہوئی لہٰذا اپنی ماردی زبان کشمیری میں ہی دادِ سخن دینے لگے۔ فارسی زبان میں لکھا گیا انکا بیشتر کلام تلف ہو چکا ہے۔ اور اُنکا بہت کم کلام دستیاب ھے۔

لداخ کے سالانہ میلہ پنچمی کے موقع پر ۱۹۰۹ء میں انہوں نے ایک فارسی نظم لکھی۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

بحمد اللہ بحمد اللہ نسیم نو بہار آور
بہ بلبل صد مبارک باد وقت لالہ زار آور
گریزاں شد دل تشویق و اندہ و پریشان
بہر سو نعرۂ شادی ز دست و کہسار آور

مہجور نے ''گل ویرانہ'' جسکا دوسرا نام ''بے وسیلہ'' ہے نام کی نظم بھی لکھی ہے مگر بدقسمتی سے یہ نظم زمانہ کی نظر ہوگئی۔ البتہ اسکے یہ چند اشعار ''مارتنڈ'' کی فائل میں موجود ہیں۔

دوش سوی سیر صحرا شد خیالم راہبر
مثلِ مجنون دہ نو دو دشت کشتم بے خطر
درمیان کوہ و صحرا بر سبیل آمد مرا
رشک گلزار ارم یک موستائے در نظر
در چمن گلہای گونا گوں بصف آراستہ
و ز پے انجام خدمت باغبان بستہ کمر
گر گلے پژ مردہ گردد از تموز آفتاب
باغبان او را کند سیراب ازخون جگر
گرد آلودہ شوگر چہرہ گل ناگہاں
می کند سر شوبے از آب دیدہ زود تر

سیر چمن کرنے کے بعد مہجور جب ایک ویرانے کی طرف جا نکلتا ہے تو ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر ایک خاص بھینی بھینی خوشبو اُسکے دل و دماغ کو معطر اور مست کر دیتی ہے۔ شاعر حیران رہ جاتا ہے تلاش کرنے پر اسکی نظر دور ایک پھول پر پڑتی ہے شاعر اس پھول سے سوال کرتا ہے کہ اس ویرانے میں ایسا عالیشان باغ جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہیں اور سب کے سب محفوظ اور پُر امن زندگی بسر کرتے ہیں تو باوجودیکہ زندگی و رعنائی اور حسن و جمال کی ایسی ابتر حالت میں کیوں گرفتار ہے تو پھول آپ بیتی یوں بیاں کرتا ہے۔

گفت اے مہجور از نیرنگی چرخ کہن
نسبتی تو گرنہ دانی حیلۂ ایں حیلہ گر
خار و خس در صحن گلشن لالہ اندر کوہسار
سینہ او داغدار از کمپر سی خم کرد
سنگ دروں قصر تناہی مست بر فرش حریر
شیر نردر غار کہنہ بر زمین افگندہ سر
شکوۂ چور فلک پامال مضمعدن قدیم
ترک کن بین سوے خودائے صاحب علم وہنر
حضرت انسان کو لاف اناالحق می زند
می شمارد ذات خود را از فلک پاکیزہ تر

لیک و تنظیم انسان این تماشا دیده ام [۱۸]
عاقلے محتاج لُطفے ائمہ شوریدہ سر

مہجور نے ایک طویل نظم ''شھر آشوب'' کے عنوان سے لکھی ہے جس میں کشمیر کے عام لوگوں پر روا رکھے گئے حاکموں کا حال بیاں کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ محکمہ حال کے ماضی اور حال کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ اسکے یہ چند شعر بطور نمونہ درج ہیں۔

خطۂ کشمیر ہمچو [۱۹] فردوس بریں
ازسرِ سر لارنس یکہ ھمہ گلزار شُد
دفع شد جور سزا و رفع ظلم کاردار
از تفنگ معدلت شق سینہ شقدار شُد

مہجور نے کچھ تاریخی قطعے بھی لکھے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل مادۂ تاریخ جو''نظام '' کے اجراء کے موقع پر لکھا گیا ہے۔

کیست نظام آنکہ پزیرد بکام
از سر حق ملک حقائق نظام
آنکہ ز انفاس سی صفات
ملت و دین یافت نظام حیات
بے دل سر بزم یارگشتن گناہ مہجور [۲۱]
شیشہ بیک نگاہ شکستن گناہ کیست

اسکے علاوہ مہجور نے فارسی میں رباعیاں بھی لکھیں ہیں نمونہ کے طور پر چند رباعیاں درج ہیں۔

صد مبارک بر کلاہ و بر قبائے سروری
بخت و تخت عزو دولت مژدہ نیک اختری
بر زبان آمد کہ یارب در ترقی روز و شب
بر سپہر نور دور کوکب اسکندری

ای عمرم میشود ضایع اگر
ساعتی بامن نہ سازی التفات
میرودم آخر کہ داغی بردلم
باشد چون لالہ اندر عرضیات

عاشق و معشوق چوں راضی شوند
پرھای ننگ و ناموسی درند
چوں شوند راضی بقاضی نیست کار [۲۰]
اختیار است اختیار است اختیار

حواشی

۱ عبدالاحد آزآر موحوم نے اس تاریخ ولادت کی بنیاد مہجور کی والدہ سعیدہ بیگم کی اُس عبارت کو بنایا ہے جوانہوں نے''اعتقادنامہ جامی'' کو نقل کر کے اُس کے آخر پر تحریر کی تھی جو کہ اسطرح ہے۔

''برای نور نظر لخت جگر عزیز ارجمند غلام احمد کہ عمرش ہنوز زائد از یک سال نیست نوشتہ شد۔ خدا عمرش دراز کناد و توفیق خواندن و عمل کردن این کتاب بخشاد۔ آمین۔ ثم آمین

در نوشتن صرف کردم روزگار
من نہ ماندم این بماند یادگار

تحریر بتاریخ ۱۲، شوال ۱۳۰۶ سعید بیگم عابدہ۔

س۔ع۔ی۔د۔ہ (بحوالہ کشمیری زبان اور شاعری۔ حصہ سوم از آزار، ص ۱۲۔

اسکے برعکس کلیات مہجور میں یوسف ٹینگ لکھتے ہیں کہ مہجور کی پیدائش ۲۱ ذی القعدہ ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو ہوئی۔ کیونکہ انکو یہ تاریخ مہجور کے فرزند محمد امین ابن مہجور نے فراہم کی ہے۔ (بحوالہ کلیات مہجور از محمد یوسف ٹینگ ص ۲۹ و شیراز کشمیری مہجور نمبر ص ۲)

۲ سعیدہ بیگم کے خاندان سے بہت بڑے خوشنویس اور عالم تعلق رکھتے ہیں۔ سعیدہ بیگم بابا حضور اللہ کی نواسی تھی صرف ۲۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ انکے ہاتھ سے لکھا ہوا اعتقادنامہ جامی کی ایک نقل مہجور کے ورثا کے پاس آج بھی موجود ہے۔

۳ یہ اپنے وقت کا ایک اچھا تعلیمی مرکز تھا عاشق ترالی (متوفی ۱۳۲۸ھ) زمانے کے مشہور عالم و فاضل تھے اور ایک صاحب دیوان شاعر گذرے ہیں۔

۴ پنجاب کے ایک رئیس اور عالم تھے۔ جسکے بیٹے کے مہجورؔ کے ساتھ قریبی مراسم تھے۔ مہجورؔ انہی کی دعوت پر پنجاب۔ بغرض حصول علم چلے گئے۔

۵ بسل، کشمیر کے ایک باکمال شاعر خواجہ حسن کول شعریؔ کے شاگرد تھے۔ اسلئے کشمیریوں کی ہمیشہ وہاں مدد کرتے تھے۔ بسل کے وہاں اپنے ہی مہجورؔ کی ملاقات مولانا شبلی نعمانی سے بھی ہوئی۔ اور انہیں اپنا کلام سنایا۔

۶ آپ اردو کے مشہور شاعر ہونے کے علاوہ بلتستان کے گورنر بھی تھے۔

۷ ان دنوں مہجورؔ نصرت الاسلام کے سکول میں زیر تعلیم تھے۔

۸ زیرکؔ سرینگر کے اسلامیہ ہائی سکول میں فارسی کے مدرس تھے۔ فارسی میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔ (کشمیر میں اردو از سروری، ص ۲۱۳)۔

۹ مراد سرسید احمد خان۔

۱۰ مراد مولانا رسول شاہ مرحوم، میر واعظ کشمیر۔

۱۱ مراد مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے ہے۔

۱۲ نقل از نسخہ قلمی۔ مملوکہ کلچرل اکیڈیمی سرینگر۔

۱۳ مہجورؔ کو علامہ اقبالؔ جیسے فلسفی شاعر سے بھی قریبی روابط تھے۔ اسکے علاوہ رابندر ناتھ ٹیگور اور کئی دوسرے شعراء و علماء سے تعلقات رہے ہیں۔

۱۴ ''کشمیری زبان اور شاعری'' از آزادؔ حصہ سوم، ص ۲۶۳، مطبوعہ۔

۱۵ تخلص نہ ہونے کی وجہ سے معمہ کی صورت میں اپنا نام لکھا ہے۔

۱۶ اردو زبان میں ایک مختصر کتابچہ ہے جو انہوں نے ۱۳۳۸ھ میں مرتب کیا اور ۱۳۴۰ء میں راوی پرنٹنگ پریس لاہور سے چھاپ دی۔

۱۷ حیات رحیم از مہجورؔ، ص ۳۔

۱۸ ''حیات رحیم'' از مہجورؔ۔

۱۹ اخبار ''مارتنڈ'' ۲۷ چیت ۱۹۹۱ بکرمی۔

۲۰ ایضاً۔

۲۱ اشارہ بہ سر والٹر لارنس سابقہ سیٹلمنٹ کمشنر کشمیر۔

۲۲ ''نظام'' ایک جریدے کا نام ہے۔

۲۳ پرچہ ''نظام'' سرینگر اپریل ۱۹۱۹ء۔

۲۴ ایضاً۔

رہبر پرتاپ گڑھی۔ پرتاپ گڑھ، اتر پردیش

منقبت

دل میں بسائے رکھنا عقیدت حسینؓ کی
پا جاؤ تاکہ تم بھی سیادت حسینؓ کی
کر پائے گا وہی حق و باطل میں امتیاز
تسلیم جس نے کی ہے قیادت حسینؓ کی
دامن نہ چھوڑا صبر کا حضرت حسینؓ نے
اس سے بڑھی ہے دین میں شوکت حسینؓ کی
نانا رسولؐ ، باپ علیؓ ، ماں ہیں فاطمہؓ
کتنی بلند و بالا ہے نسبت حسینؓ کی
صدیقؓ ہوں ، عمرؓ ہوں ، کہ عثمانؓ با حیا
رہبرؔ! ہر ایک سے ہے قرابت حسینؓ کی

خصوصی دعا کی گزارش

سیدہ زہرہ فاطمہ بنت سعید بھائی، معین آباد حیدرآباد، **Indian Administrative Services (UPSC)** کے ایگزام میں شریک ہو رہی ہیں۔ ادارہ سبھی سے گزارش کرتا ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ سیدہ زہرہ فاطمہ کو امتیازی طور پر کامیابی دے۔ آمین

(مدیر)

(آخری قسط) ڈاکٹر آصف لئیق ندوی-عربی لیکچرار، مانو وصدر رابطہ خیرامت، انڈیا

ظلم کا سہنا ظالم کی پشت پناہی ہے

ملک کے نوجوانو! حکومتِ وقت کے دورِ اقتدار میں ملک کا حال نہایت افسوسناک حد تک پہنچ گیا ہے، آخر اسکا ذمہ دار کون ہوسکتا ہے؟ سات سال اقتدار کی کرسی پر فائز رہنے والے ہی اس کے اصل ذمہ دار ہیں!؟ کہتے ہیں کہ امراء وحکمراں کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد جب ان کی نیت خراب ہوجاتی ہے تو اسی کے بقدر قوم وملک پر نحوست نازل ہوتی ہے! مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود ہی ہر جگہ اپنی تعریف کرتے پھر رہے ہیں اور گودی میڈیا سکھائے ہوئے طوطے کی طرح اپنے آقا کی باتوں پر خوب ڈھول بجارہے ہیں اور اسی کی تبلیغ واشاعت میں لگے رہتے ہیں، خود کی تعریف کرنے والا ایک نا ایک دن اپنی ناک کے بل ضرور گرتا ہے، اور اس کی علامات ہمارے سامنے ظاہر ہیں!۔ بقول شاعر ؎

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ شراب کا کاروبار سرکاری اعلامیہ کے ساتھ تو جاری وساری ہے، مگر تعلیم و تربیت کے ادارے طویل عرصے سے بند پڑے ہیں، آن لائن سسٹم سے اس کی خانہ پُری کہاں تک کی جاسکتی ہے؟ اس طریقے سے اچھی نسل وافراد کا پیدا ہونا بہت مشکل و محال ہے، ہمارا اور ہمارے بچوں کا مستقبل روز بروز تاریک ہوتا جارہا ہے، اور تعلیمی وتربیتی کا نظام ملک میں اتنا چوپٹ اور تشویشناک حالت میں پہنچ کر رہ گیا ہے کہ ہر گھر کا باشعور فرد اسے حکومت کی بڑی ناکامی تصور کررہا ہے، بہت افسوس کہ پھر بھی تعلیمی ادارے بند ہیں؟!اکثریت تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہوئی ہے!؟ اکثریت کی خاموشی کی وجہ سے ہم اچھے اخلاق وآداب سیکھنے اور سکھانے سے بھی محروم ہوکر رہ گئے ہیں، ہماری اولاد کے عادات و اطوار روز افزوں بگڑتے جارہے ہیں، فحش اور لغویات کے کاموں اور موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال میں ان کی قیمتی عمر و صحت ہماری آنکھوں کے سامنے اور موجودہ اربابِ اقتدار کی سرپرستی میں ضائع ہورہی ہے، جب شراب کی دکانیں کھلی رکھنے کا فرمان جاری کیا جاسکتا ہے تو آدم ساز اداروں کا مسلسل مقفل رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ ادارے بند ہونے کی وجہ سے نئی نسل منشیات اور دیگر مہلک برائیوں کی طرف مائل ہورہی ہے بلکہ اس کی عادی بنتی جارہی ہے، ملک میں جہالت وضلالت اور رذالت ووقاحت کا ایسا دور دورہ ہوگیا ہے کہ بچوں کی طبیعت اور اس کا میلان غلط چیزوں کی طرف زیادہ مائل ہورہا ہے۔ غالب کا یہ شعر بہت صحیح ترجمانی کرتا ہے ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی!

ملک کی ترقی وخوشحالی سے ان اربابِ اقتدار کو ایسی دشمنی ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف دھرم کے سوداگر

بن کر رہ گئے ہیں! ایسا لگتا ہے وہ صرف اسی کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور اسی کے پرچارک ومبلغ بنے بیٹھے ہیں، باقی انسانوں کے سارے مسائل ان کے نزدیک ہیچ وکمتر ہیں! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مسلمانوں کے دین ومذہب اور شعائر ومراکز سے شدید نفرت اور اپنے دین وطریقے کی بڑی مدح سرائی! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مسلمانوں کے خلاف ہمارے ملک میں ظلم وناانصافی کو کیوں فروغ وترویج دیا جارہا ہے؟ ہزار مصیبتوں میں گرفتار ہونے کے باوجود ملک کو ہندو راشٹریہ میں تشکیل دینے کی راہیں کیوں ہموار کی جارہی ہیں؟ کیوں نئے نئے دستور مخالف قوانین کو عوام کی مرضی کے خلاف ان پر تھوپے جارہے ہیں؟ قوم وملک اور دستور کے خلاف غلط کارنامے کیوں انجام دیئے جارہے ہیں؟ انسانیت کے اصول کے خلاف انسانوں کی جانوں سے ایسا گندہ کھیل کیوں کھیلا جارہا ہے؟ مریضوں کو جانکنی کے عالم میں بھی اور آکسیجن کی شدید ضرورت کے وقت بھی انہیں کیوں نہیں بخشا جارہا ہے!؟ آخر یہ سب کام کن کے اشاروں پر انجام دیا جارہا ہے، اور کن کے دورِ اقتدار میں ہورہا ہے؟ جب کہ ہماری حالت تو یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم قوم وملک کی پراپرٹی کو بیچنے کے ساتھ ساتھ اگر موقع ملے تو مردوں کے کفن کو بھی بیچ کر کھا جائیں؟!

مہاماری اور لاک ڈاؤن کے برے اثرات کے درمیان ارباب اقتدار نے ملک اور اس کی متعدد پراپرٹی (مثلا: ایئر انڈیا، ایل آئی سی، ریلوے وغیرہ) کو بیچ دیا ہے، وبا سے متأثر مریضوں سے ہاسپٹلوں میں خوب پیسے اینٹھے جارہے ہیں، علاج ومعالجے میں بڑی ہیرا پھیری ہورہی ہے، ہاسپٹل میں بڑے صرفے اور اخراجات کے باوجود بھی متعدد مریض شفایاب ہوکر نکلنے کے بجائے وہاں سے ان کی لاشیں نکل رہی ہیں!! اور جان بوجھ کر مریضوں کو مارنے کی متعدد پلاننگ منظر عام پر آرہی ہے!! جانکنی کے عالم میں بھی ہمارے ملک میں اس طرح نفرت وعداوت!! بھید بھاؤ!! اور فرقہ پرستی!! آخر ملک کو دھرم کے سوداگر کہاں پہنچانا چاہتے ہیں!؟ مریضوں کا صحیح علاج بھی ملک کے ہاسپٹلوں میں اب دستیاب نہیں رہ گیا ہے! لوگ ہاسپٹل کی انسانیت سوز حرکت اور قتل وہلاک کردینے کے خوف سے ہاسپٹلوں کا رخ کرنے سے گریز کررہے ہیں اور گھر پر ہی علاج کرواتے ہوئے مرجانے کو بخوشی گوارہ کررہے ہیں۔ مگر ہاسپٹل جانے سے کترارہے ہیں، آخر ایسا کیوں ہورہا ہے کہ ایک ہی ملک میں دوائیوں کے الگ الگ دام ہیں اور اپنے ہی ملک کی اقلیتوں سے نفرت وعداوت بھی ہے؟!.

افسوس اور تعجب کا اظہار اس وقت کافی بڑھ جاتا ہے جب ان تمام مصیبتوں اور کمزوریوں کو جنگی پیمانے پر حل اور دور کرنے کے بجائے اربابِ اقتدار ہی دستور وآئین سے کھلواڑ کرتے نظر آرہے ہیں، کہیں متنازع قانون سی اے اے (شہریت ترمیمی بل) کا نوٹیفکیشن جاری کیا جارہا ہے! تو کہیں گورکھناتھ مندر کے آس پاس سو سال سے آباد مسلمانوں کو سات دنوں کے اندر اپنا گھر بار خالی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے! کہ نعوذ باللہ ان کا وہاں رہنا مندر کے لئے بڑا خطرہ ثابت ہوسکتا ہے!؟ کہیں ملک کے ہندو آبادی کے درمیان اس تنگ نظر خیال اور غلط سوچ کو خوب پروان چڑھایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی آبادی اور ان کے مدارس ومساجد کی وجہ سے ہندو آبادی خطرے میں ہے! بلکہ عنقریب پورا ملک ہی خطرے میں چلا جائے گا!؟ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان نااہل ارباب اقتدار کی گندی سازشوں کی وجہ سے صرف ہندو آبادی ہی نہیں! بلکہ ہمارا پورا ملک خطرے میں ہے، ان کی ناپاک پلاننگ کی وجہ سے کفر وشرک، جہالت وضلالت، رذالت و وقاحت اور ظلم وناانصافی کا یہاں ایسا دور دورہ ہے، جن کی نحوستوں کی وجہ سے تنبیہات ربانی اور متعدد قہر ووبا ہم پر نازل ہو رہی ہے اور ان کی گندی پالیسی کی وجہ سے ہندو آبادی کے بجائے ملک کا پورا معاشی نظام خطرے کے نشان سے بھی اوپر آچکا ہے، ملک کا بڑا بڑا بینکنگ سسٹم بھی خطرے اور مصیبت سے دوچار ہے، نوجوانوں کی نوکریاں بھی خطرے میں ہیں، تجارت وصنعت بھی خطرے میں ہے، پوری مسلم آبادی اور ان کی تہذیب خطرے میں ہے، ان کے مدارس ومکاتب خطرے میں ہیں، ان کے مساجد ومراکز خطرے میں ہیں، سبھوں کے اچھے اخلاق وعادات خطرے میں ہیں، ملک کی گنگا جمنی تہذیب خطرے میں ہے، ملک کا پیارا دستور وآئین خطرے میں ہے، مذہبی اور معاشرتی رواداری بھی خطرے میں ہے، ہماری نئی نسل کا مستقبل خطرے میں ہے۔ جشن آخر کس بات کا منایا جارہا ہے۔ سوائے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے اور ہماری آنکھوں پر پٹیاں ڈالنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے!! البتہ ارباب اقتدار کو اچھی طرح یاد کر لینا چاہئے کہ مسلمانوں کی آبادی کو اگر اسی طرح خطرہ بتا بتا کر وہ اپنے سیاسی مفادات کو حاصل کرتے رہے تو ہم لوگ خاموش تماشائی بنے نہیں رہیں گے، بلکہ اس کے لئے ہم مسلم آبادی کو متحد کرتے ہوئے پورے ملک میں ان کی غلط پالیسیوں کے خلاف زوردار آواز اور وسیع علم احتجاج بلند کریں گے، اور ملک کے غیور وخوددار اشخاص و افراد کو ہم اپنا ہم نوا بنالیں گے اور اوچھی سیاست کرنے والوں کو ہی زمام اقتدار سے بے دخل کردیں گے۔

جب تک مسلم قوم اپنی اسلامی تشخصات، انسانیت کی خیر خواہی کے جذبات، اتحاد واتفاق کی طاقت، علمی وفکری قوت، ملی وسماجی خدمات، اخلاقی ومعاشرتی امتیازات کے ساتھ متصف ہے، ان کا صفحہ ہستی مٹا دینا دنیا کی بڑی بڑی طاقت کے بس کی بات نہیں ہوسکی تو یہ کون تس مار خان آئے ہیں جو ہمیں مٹا دیں گے؟۔ مسلمان تو ہمیشہ ان اصولوں کیساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رحیم رامش۔ حیدرآباد

غزل

دوست ایسا کوئی ملا ہی نہیں
جس نے دھوکہ کبھی دیا ہی نہیں
ہاں سزا تو سنائی منصف نے
جب کہ میری کوئی خطا ہی نہیں
خاک آئے گا زندگی کا مزہ
غم سے کوئی جو آشنا ہی نہیں
دن دہاڑے ہی قتل ہوتے ہیں
''اب کسی جرم کی سزا ہی نہیں''
جو بھی ہونا تھا ہو گیا رامشؔ
اب کسی سے کوئی گلہ ہی نہیں

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

ہمدردی

کورونا کی وبا بہت ہی زوروں پر ہے۔ مارچ کا مہینہ سورج کی تمازت گھر بیٹھے بیٹھے میری ضعیف ماں کی خدمت میں اوقات گزر رہے ہیں۔ لاک ڈاؤن کی سختی، باہر جانے پر پابندی، ڈھیل کے اوقات میں ہماری مسجد کے مؤذن صاحب میری ماں کی مزاج پرسی کے لیے گھر آئے اور ایک جوشاندہ کا نسخہ بتا کے چلے گئے۔ انہوں نے اصرار کیا تھا کہ جوشاندہ بنا کے اس کا استعمال روزانہ نہار منہ کریں، کیونکہ تدبیر علاج سے بہتر ہے۔ میں اکیلا اپنی ماں کی خدمت میں رہتے ہوئے روزی کی فکر میں باہر بھی نہیں جاسکا۔ گھر میں رکھی ہوئی جمع پونجی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ ویسے بھی مجھے مشکل سے ایسی مزدوری ملتی تھی جس سے ایک آدمی کا گزر بسر مشکل سے ہوسکتا ہے تھا۔ کم عمری ہی سے صحت منداور موٹا تازہ رہا ہوں۔

اتوار کی چھٹی کے اوقات میں، میں باہر نکلا اور روزی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ مشکل سے کچھ مزدوری کرنے کا موقع ملا۔ شام ہوتے ہوتے میں جلدی جلدی گھر پہنچا۔ جلدی اس لیے تھی کہ لاک ڈاؤن کا وقت شروع ہونے والا تھا۔ جب میں گھر پہنچا تو مجھے ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی، جب ماں کے پاس گیا وہ سو رہی تھیں۔ ماتھے پر جب میں نے ہاتھ رکھا، محسوس کیا کہ ماں کا ماتھا تپ رہا ہے۔ میں نے آواز دی، ماں نے جواب نہیں دیا، مسجد کے مؤذن صاحب جو قریب ہی رہتے تھے، ان کے پاس جانے کی ہمت کی، لیکن لاک ڈاؤن کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے گیہوں کا تھوڑا سا آٹا پانی میں ملا کر گرم کیا اور میری ضعیف ماں کو پلانے کی کوشش کی۔

اندھیرا ہو چکا تھا۔ میری ماں کی حالت میں کچھ بھی سدھار نہیں آیا، وہ میری بات کا جواب نہیں دے رہی تھی، ماتھے کی تپش کم نہیں ہوئی، تو میں نے ماں کے پیروں کو دابنا شروع کیا تا کہ کچھ جسم میں ہلچل آئے۔ میری کوششیں کارگر ثابت نہیں ہوئیں، اسی کمکش میں، میں گھر سے باہر نکلا، گھر سے تھوڑی دور ہی جا پایا تھا تا کہ مؤذن صاحب سے کچھ مشورہ کرسکوں، اسی اثنا میں، میں نے دیکھا کہ پولیس کی گاڑی آرہی ہے، ان سے بچنے کے خیال سے میں نے دوڑ لگائی۔ پولیس کی گاڑی قریب آچکی تھی اور مجھے پکڑ لیا گیا۔ میں نے بہت سمجھایا کہ میری ماں کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں مدد کے لیے مؤذن کے پاس جارہا تھا۔ پولیس کے عملہ میری اس وضاحت پر کچھ دھیان نہیں دیا۔ مجھے زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھالیا، آپس میں یہ پولیس کا عملہ گفتگو کررہا تھا، مجھے معلوم پڑا کہ یہ لوگ مجھے چور سمجھتے ہوئے پکڑے ہیں۔

جب تھانے لے گئے تو تھانے دار سے کہنے لگے کہ میں چوری کر کے بھاگ رہا تھا اور مجھے بھاگتے ہوئے پکڑا گیا۔ میں نے دیکھا تھانے دار اپنے آپ میں بدمست تھا مجھے لاک اپ میں ڈال دیا گیا اور پولیس کا عملہ اپنے راؤنڈس پر نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں تھانے دار لاک اپ کھولتے ہوئے میرے پاس آیا، میں روتے ہوئے بنتی کررہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو اور میں اپنی ماں کی حالت بتا رہا تھا، اس نے

میری التجا کو سنے بغیر مجھے بھینچ لیا۔ میں نے تھانے دار کے منہ سے دارو کی بو محسوس کی کیونکہ وہ مجھے دلپوچتے ہوئے بوسہ لیا۔ اسی دوران مجھے پولیس کی گاڑی کی آواز سنائی دی، تھانے دار اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے لاک اپ کو بند کر دیا اور اپنی کرسی سنبھال لی۔ میں روتا رہا، پتہ نہیں آنکھ کب لگ گئی، قریب سے اذان کی آواز سنائی دی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے تھانے دار سے پھر منت سماجت کرنے لگا، تھانے دار اونگھتے اونگھتے لاک اپ کھولا اور جو پولیس صبح ڈیوٹی پر حاضر ہوئی اس کو حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔

مجھے پتہ نہیں لگا کہ میرا مکان اس تھانے سے کتنی دور ہے۔ چونکہ میں مسجد کے نام سے وقف تھا، پوچھتے پوچھتے گھر پہنچا، گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہے، میں سیدھے اپنی ضعیف ماں کے قریب گیا، دیکھتا کیا ہوں کہ مکھیاں میری ماں کے چہرے پر بھنبھنا رہی ہیں، میری ماں کا منہ کھلا ہوا ہے، سر ایک طرف ڈھلک گیا ہے میں نے ماں کے ماتھے کو محسوس کیا کہ وہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اپنی ماں کے ہاتھ میں، میں نے ہاتھ میں لیا اور کسی قسم کی حرکت میں نے محسوس نہیں کی، میرے منہ سے ایک دم غیر ارادی طور سے ایک چیخ نکلی، میری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

چونکہ صبح ہوئی، بہت وقت ہو چکا تھا میرے گھر کے بازو بلدیہ کا پانی کا نل ہے، محلّہ کے لوگ پانی لینے جمع ہوئے تھے، میری آواز کی طرف توجہ دی، یہ لوگ جلدی سے جلدی پانی حاصل کرنا چاہ رہے تھے، تاکہ لاک ڈاؤن کے اوقات کی پابندی کی جائے۔ میں نے جب اپنے احوال کا ذکر کیا تو اس وقت یہ لوگ مجھ سے دور ہوتے گئے، آپس میں کہنے لگے "یہ کرونا مریض ہے، قریب مت جانا" میں روتے ہوئے بھاگم بھاگ مؤذن صاحب کے گھر پہنچا، مؤذن صاحب نے کیفیت سنی اور میرے ساتھ چلنے سے ہچکچاتے ہوئے کچھ بہانہ کر دیا۔ میں اکیلا ہی ماں کے پاس آیا اور پکار پکار کے رونا شروع کیا، ابھی تھوڑا وقت لاک ڈاؤن شروع ہونے میں بچا ہے، میرے مالک مکان کو جب اطلاع ہوئی کہ میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، انہوں نے بہت ہی خفگی سے مکان خالی کرنے کے لیے کہا، میں نے ان سے مدد کی گزارش کی کہ میری اس ضعیف ماں کے آخری رسومات کی تکمیل کی جائے، انہوں نے صاف انکار کر دیا، باہر میں نے دیکھا کہ بلدیہ کے کچھ صفائی کرمچاری اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ لوگ میرے قریب آئے اور جب انہوں نے کیفیت معلوم کی تو مجھے دلاسہ دیتے ہوئے میری ماں کی آخری رسومات کا ذمہ لیا۔ اب میں جب بھی ان پرانی باتوں کو یاد کرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

عالی جناب مستقیم سکی ایڈیٹر "ہدیٰ ٹائمز" ممبئی، معروف صحافی علمبردار ایوارڈ یافتہ جناب نصر اللہ خان صاحب کی گلپوشی کرتے ہوئے اے بی سی ہال ڈمریس ادبی فورم حیدرآباد کی جانب سے ڈاکٹر مظفر علی ساجد، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر سید حبیب امام قادری، محسن خان، جہانگیر قیاس، سید اصغر حسین، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

فاروق طاہر۔ حیدرآباد

گزر جا ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے

خوشی وغم زندگی کا حسن ہے:۔ شدائد، مصائب، بیماری، وبا، تباہی، خون ریزی، قتل وغارت گری اور ظلم وستم کی داستانیں بنی نوع انسان کے لیے نئی نہیں ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے یہ تمام اس کے مشاہدات میں رہے ہیں۔ خدائے لم یزل کی جانب سے انسان کی خوشی وغم، آسانی وتنگی، صحت وبیماری کے ذریعے آزمائش ہوتی رہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دنیا میں ہر انسان کو دو متضاد کیفیات (حالات) کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی سکھ تو کبھی دکھ، کبھی قہقہے اور آہیں تو کبھی سکون واضطراب، کبھی صحت کی لذتیں تو کبھی بیماری کی آہ وبکا، کبھی فراخی تو کبھی تنگی، کہیں شہنائی تو کہیں ماتم، کہیں نئی زندگی کی آمد پر مبارک باد تو کہیں موت پر تعزیت۔ الغرض زندگی اسی کا نام ہے۔ تصویر کے یہ دونوں رخ دنیاوی زندگی کی فطرت میں داخل ہیں۔ خوشیوں، لذتوں اور مسرتوں سے بھرپور زندگی تو انسان کو بہت دل کش اور بھلی معلوم ہوتی ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ میری کوششوں اور محنت کا پھل ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ ربِ کائنات کا فضل وکرم ہے۔ جب گردشِ زمانہ اور مصائب وآلام کا شکار ہوتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، چیخنے لگتا ہے۔ چیخ وپکار اور آہ وبکا میں اپنے مالک حقیقی کو بھی بھول جاتا ہے اور گلے شکوے کرنے لگتا ہے۔ آج ساری دنیا موت کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ زندگی کی رونقیں ماند پڑ چکی ہیں۔ ایک نظر نہ آنے والے معمولی سے وائرس نے زندگی کی گہما گہمی کو یک لخت جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ امیر وغریب، سرمایہ دار ومزدور، عالم وجاہل، تندرست ومریض، حاکم ومحکوم اور خواص وعوام سب ہی اس سے متاثر ہیں۔ سماج کا تقریباً ہر فرد اس پریشانی سے دوچار ہے۔ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ حوادث ومصائب کا سبب انسان کے اعمال ہی ہوتے ہیں۔ ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب وبائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تاکہ وہ باز آجائیں'' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور تم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ معاف ہی کر دیتا ہے'' مصائب، حوادث، بیماریوں اور وباؤں کے پھوٹ پڑنے کی وجہ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے انسانوں کا تجاوز کرنا ہے۔ ان مصائب، حوادث، بیماریوں، وباؤں اور آزمائشوں کا شکار بے گناہ انسان بھی ہوجاتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے ایسے حالات آزمائش ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کا انکشاف بھی سورۃ البقرہ کی آیات مبارکہ سے ہوتا ہے ''اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی

طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انہیں خوش خبری دے دو، ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔"

آزمائش عدل کا تقاضا ہے:۔ "اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا"۔ دنیا کی زندگی آزمائش ہے۔ زندگی کو حسن اور خوب صورتی، صبر واستقلال سے حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کی عیش وعشرت، آرام وسکون عارضی اور فانی ہیں۔ امام احمد ابن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آرام کب ملے گا؟ فرمایا "تم اپنا پاوں جب جنت میں رکھو گے تب۔" دنیا حادثات، آلام، فتنوں، مصائب اور آفات کی جگہ ہے۔ یہاں بیماری، مایوسی اور حزن وملال دنیا کے امتیازی نشان ہیں۔ آزمائش ایک سنت الٰہی ہے۔ "ہم تم کو کسی چیز میں آزمائیں گے" ہم نے تم سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزمایا ہے۔" یہ عدل کا تقاضا ہے کہ اللہ بندوں کا امتحان لے، انہیں شدت اور آسانی میں آزمائے ان کو دن اور رات کے مختلف احوال سے گزارے۔ آزمائش پر ثابت قدمی ایمان کا حصہ ہے۔ پریشانیوں اور مصائب پر ناراضگی واعراض ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو مشقت اور آزمائش میں بھی ان کی مقدرت کے مطابق ڈالتا ہے۔ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ "اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتا کسی جان کو مگر اس کی طاقت کے بقدر" شدت کے ساتھ فراخی اور عسر کے ساتھ یسر زندگی کا حسن ہے۔ دعا کی عدم قبولیت بھی خیر ہے۔ راضی بہ رضا رہنا پرسکون اور مطمئن زندگی کا اہم اصول ہے اور اس گنجینہ گراں مایہ کے بارے میں صوفی ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں "ہماری زندگی ایسی ہے کہ اگر اسے بادشاہ جان جائیں تو وہ ہم سے اس پر تلواروں سے جنگ کریں" بے جا رنج وغم اور تردد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایک حکیم کی مصیبت پر اس کے بھائی جب اس سے ہمدردی جتانے لگے تو اس نے کہا رنج وغم کیسا کہ میں نے چھ عناصر ملا کر ایک دوا بنائی ہے۔ بھائی نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا پہلا اللہ پر بھروسہ، دوسرا مقدر (جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا) تیسرا صبر، چوتھا صبر کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں، گھبرا کر کیا ہوگا۔ پانچواں شکر (جس حالت میں اب ہوں، ممکن ہے کہ اس سے بھی برے حال کا سامنا ہوتا) چھٹا وقت کی تبدیلی (آج جو سختی کا وقت ہے وقت کے گزرتے اس سے چھٹکارا بھی حاصل ہوگا) یہ گولی میں روز کھاتا ہوں بھلا مجھے رنج وغم کیوں کر ہوگا؟ جو بھی انسان ان چیزوں کو اپنی زندگی میں نافذ کرے گا وہ حزن وملال، یاس وغم، مصائب وپریشانیوں، سب وشتم اور ظلم وزیادتی پر رنجور نہیں ہوگا۔ صبر وتحمل گھبراہٹ سے بہتر ہے۔ جو انسان اپنی مرضی سے صبر وتحمل اختیار نہیں کرتا اسے مجبوراً صبر وتحمل پر آمادہ ہونا پڑتا ہے۔

مال واسباب اور وسائل سے کامیابی نہیں ملتی:۔

مال واسباب اور وسائل کی فراوانی سے آدمی نہ تو کامیاب ہوا ہے اور نہ یہ چیزیں اسے زندگی میں سکون ومسرت فراہم کر سکتی ہیں۔ اسباب پر تکیہ کرنے کی عادت نے ہی انسانوں کو مصائب، شدائد، غم اور حزن وملال میں جکڑ کر رکھا ہے۔ نمرود، فرعون، ہامان اور قارون اپنے خزانوں، قوت وطاقت اور نعمتوں کی کثرت وبہتات کے باوجود ناکام ہو گئے اور ذلت وخواری ان کا مقدر بن گئی۔ انہوں نے مال واسباب اور وسائل پر تکیہ کیا اور مسبب الاسباب سے روگردانی کی۔ مال واسباب اور وسائل کامیابی میں ایک کردار ہی تو ادا کرتے ہیں لیکن کامیابی وسکون عطا کرنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ اسباب کو استعمال کرتے ہوئے مسبب الاسباب سے لو لگائی جائے تب ہی سکون، راحت، مسرت اور کامیابی حاصل ہو

سکتی ہے۔ مال واسباب اور وسائل کی فراوانی نہ تو سکون فراہم کرسکتی ہے اور نہ کامیابی۔ انسان کے پاس اگر دو وقت پیٹ بھرنے کے لیے کچھ موجود نہ ہو، نہ تن ڈھانکنے کے لیے مناسب لباس میسر ہو اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی چھت ہو لیکن ایمان کی دولت اور صبر کی طاقت حاصل ہو تب وہ دنیا کا کامیاب ترین انسان ہوگا۔ آج دولت اور سرمائے کے بل پر ہر چیز خریدنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے استحصال کا عفریت بھی عام ہو گیا ہے۔ لوگ پیسے کے بل پر زندگی بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر دولت کے سہارے زندگی کو بچایا جا سکتا تو دنیا کا کوئی بھی دولت مند انسان موت کے چنگل میں نہ پھنستا۔ دولت اور دوائیں انسان کی زندگی بچانے میں ایک کردار ادا تو کرتی ہیں لیکن زندگی بچانے پر یہ وسائل قادر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ دوا شفا دے سکتی ہے نہ تو موت ٹل سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک حکیم حاذق اپنے مطب میں ادویات کی تیاری میں مصروف تھا تبھی ایک شناسا آدھمکا اور پوچھنے لگا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ حکیم نے جواب دیا کہ وہ تین ایسی گولیاں بنا رہا ہے کہ اگر ایک گولی بستر مرگ پر پڑے ہوئے آدمی کو بھی کھلا دی جائے تو اس میں زندگی کی رمق پیدا ہو جائے گی۔ دوسری گولی سے اس کے اعضاء وجوارح کام کرنے لگیں اور تیسری سے وہ بالکل چاق وچوبند ہو جائے گا۔ آدمی نے کہا محلے کا ایک جوان موذی مرض میں مبتلا ہے کیوں نہ اس کی جان بچائی جائے۔ حکیم اور اس کا دوست مریض کے پاس پہنچے اسے ایک گولی کھلائی اس کی حالت غیر ہوگئی، دوسری میں اور ابتر ہوگئی اور تیسری گولی میں تو اس کی روح پرواز کر گئی۔ حکیم بہت رنجور ہوا، رو دھو کر توبہ واستغفار کرنے لگا تب ندا آئی کہ اے حکیم! مایوس کیوں ہوتا ہے تیری گولیاں (دوا) بالکل درست تھیں لیکن دوا میں شفا اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اسے اذن خداوندی ہوتا ہے۔ مریض جوان کی شفاء اللہ کو منظور نہیں تھی اسی لیے دوا کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ مادیت پرستی میں گرفتار آج کے معاشرے کے لیے یہ واقعہ درس عبرت ہے کہ مہنگی دوائیں، قابل ڈاکٹر اور مہنگے دواخانے علاج تو کر سکتے ہیں لیکن شفا اگر تقدیر میں ہوگی تو ہی ملے گی۔ دوا سبب کے درجے میں ہے اور توکل یہ ہے کہ سبب کو اختیار کرنے کے بعد نتائج کو مسبب الاسباب کے حوالے کر دیا جائے۔ انسان اگر یہ بات سمجھ لے تو کوئی بھی اس کا استحصال نہیں کر سکتا نہ ڈاکٹر نہ دواخانے نہ کوئی اور۔

موت میں تاخیر ہو سکتی ہے اور نہ تقدیم:۔ ''جب ان کی موت آجائے گی تو نہ اس میں ایک ساعت کی تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔'' (الاعراف:۳۴) ''کہہ دو جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں آکر رہے گی پھر تم حاضر وغائب کو جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے، پس وہ تم کو خبر کرے گا تمہارے اعمال کی'' موت ایک اٹل حقیقت ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اس کا ایک دن معین ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے نہ تو موت آسکتی ہے اور نہ وقت مقررہ پر کوئی اس کو روکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ بے جا اندیشے وقت اور نعمتوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بقول غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

قرآن وسیرت النبی کے مطالعے سے آدمی کو شدائد و مصائب کا سامنا کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اس میں صبر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا ایک قول

ہمارے قلب وذہن کو روشن کرنے اور ایمانی طاقت کو فروغ دینے میں بہت کارگر ثابت ہوسکتا ہے "موت لکھی نہ ہو تو موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ جب موت مقدر ہو تو زندگی دوڑتی ہوئی موت سے لپٹ جاتی ہے، زندگی سے زیادہ کوئی نہیں جی سکتا اور موت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا۔ دنیا کے بزدلوں کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ اگر میدانِ جہاد میں موت لکھی ہوتی تو اس خالد کو موت بستر پر نہ آتی" کورونا سے خوف زدہ یا کسی اور مرض و ابتلاء میں گرفتار افراد کے لیے خالد بن ولیدؓ کا یہ قول بے جا اندیشوں، خوف واضطراب سے نکلنے کے لیے یقیناً کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھیے، نیک فال لیجیے، اچھے کی امید کیجیے، یاس وقنوطیت کو چھوڑ دیجیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی دلیلیں تہدید کی دلیلوں سے زیادہ ہیں۔ زندگی کی کدورتوں اور مصائب سے مت اکتایئے۔ حسن ظن انسان میں امید اور زندگی کو نہ صرف پیدا کرتا ہے بلکہ اسے باقی اور قائم بھی رکھتا ہے۔ مصیبت اور تکلیف دنیوی زندگی کی اصل ہیں، خوشی بھی یہاں عارضی ہوتی ہے۔ دنیا کا فرحت وسرور عارضی ہے یہ اچھا تو لگتا ہے لیکن اللہ کو اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا کو مستقر بنانا پسند نہیں۔ دنیا اگر امتحان گاہ نہیں ہوتی تو یہاں بیماریاں اور کدورتیں نہ ہوتیں۔ دنیا میں انبیا اور صلحا کو بھی رہنے میں دشواریاں پیش آئیں۔ دنیا کی لذت میں مومن کا حق بہت کم ہے۔ حسن ظن کی کمی یا فقدان آدمی کو نفسیاتی عوارض کا شکار بنادیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے "جو مرد و عورت ایمان کے ساتھ عمل صالح کریں گے ہم انہیں پاکیزہ زندگی بسر کروائیں گے۔" (النحل:۹۷) "جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے، رحمان ان کے لیے محبت رکھ دے گا۔" (مریم:۹۶)۔ "جو میرے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے۔" (طٰہٰ:۱۲۴) "تہ بہ تہ تاریکیاں ہیں جب آدمی اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ بھی نہیں پاتا جسے اللہ روشنی نہ دے اسے کوئی روشنی نہیں ملے گی۔" (النور:۴۰)

ہر شر سے خیر نکلتا ہے:۔ ہر شر کے پہلو میں خیر چھپا ہوتا ہے۔ ایمان والے شر سے بھی خیر نکال لیتے ہیں۔ سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی، آپ سے جنگ کی تو یہ جہاد اللہ کی نصرت اور اس کی راہ میں قربانی دینے کا سبب بن گیا۔ غزوات، نبی ﷺ کے لیے فتح کا ذریعہ بن گئے۔ جو مسلمان ان جنگوں میں شہید ہوئے وہ جنت کے مستحق ہو گئے۔ اگر کفار سے مقابلہ نہ ہوتا تو بڑی کامیابی اور خیر کبیر نہ ملتا۔ نبی ﷺ کا مکہ سے ہجرت کر جانا اسلامی مملکت کے قیام کا سبب ہوا۔ انصار اسلام میں داخل ہو کر اہل ایمان اور اہل کفر سے ممتاز ہو گئے۔ احد میں مسلمانوں کی شکست بظاہر پسندیدہ امر نہیں تھا لیکن اس میں اتنا خیر ظاہر ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بدر کی فتح سے جو خود پسندی پیدا ہو گئی تھی وہ احد کی شکست سے ختم ہو گئی۔ مسلمانوں میں اعتماد پیدا ہوا، بہت سے مسلمانوں کو شہادت کا شرف حاصل ہوا۔ جن میں عم رسول حضرت حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ شامل تھے۔ غزوہ احد سے منافقین کی پہچان ہوئی اور ان کی رسوائی بھی۔ سیرت طیبہ کے ان واقعات سے ہمیں سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ ہر شر کے اندر خیر چھپا ہوتا ہے اور اللہ جو کرتا ہے انسان کے لیے وہی بہتر اور اچھا ہوتا ہے۔

عبادات، مطالعہ قرآن، ذکر واذکار اور دعاوں کا اہتمام کریں:۔ نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر خداوندی سے قلب کو قرار وسکون ملتا ہے۔ رنج کی کیفیت ختم ہوتی ہے۔ آدمی پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ احادیث میں ہے کہ کوئی

بندہ جب اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے یا کوئی گناہ کرتا ہے تو اس پر بہت سی مصیبتیں آتی ہیں مگر ان مصیبتوں میں سے ''آٹھ'' بہت خطرناک ہیں۔ یہ آٹھ مصیبتیں انسان کی زندگی کو برباد کر دیتی ہیں اور اس کی آخرت کو بھی خطرے میں ڈال دیتی ہیں۔ اس لیے ہمیں سکھایا گیا کہ ہر دن صبح اور شام ان آٹھ مصیبتوں سے بچنے کی دعا مانگا کریں۔ وہ آٹھ مصیبتیں یہ ہیں (۱) ''الھم'' یعنی فکر میں مبتلا ہونا (۲) ''الحزن'' یعنی غم میں جکڑا جانا (۳) ''العجز'' یعنی کم ہمتی، بے کاری اور محرومی (۴) ''الکسل'' یعنی سستی اور غفلت (۵) ''الجبن'' یعنی بزدلی، خوف اور دل کا کمزور ہو کر پگھلنا (۶) ''البخل'' یعنی کنجوسی، حرص، لالچ اور تنگ دلی (۷) ''غلبۃ الدین'' یعنی قرضے میں بری طرح پھنس جانا کہ نکلنے کی صورت ہی نظر نہ آئے (۸) ''قہر الرجال'' یعنی لوگوں کے قہر، غضب، غلبے اور ظلم کا شکار ہو جانا۔ ان مصائب سے حفاظت کے لیے آخر میں دی گئی دعا کا اہتمام کریں۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو یہ دعا قرآن مجید کی آیات کی طرح اہتمام سے سکھاتے تھے۔ فرائض کی ادائیگی کو لازم کر لیں۔ معمولات کے ساتھ معاملات کو درست رکھیں۔ فضول اور غیر مصدقہ معلومات اور خبروں کو پھیلانے سے گریز کریں۔ سوشل میڈیا اور جعلی میڈیا سے خود کو دور رکھیں۔ سوشل، الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے خوف و اضطراب میں کمی کے بجائے اضافہ کیا ہے۔ ان تمام سے خود کو حتی الوسع دور رکھیں۔ قرآن، سیرت، تاریخ اسلام اور صحت مند تذکیری، ادبی، شخصیت سازی اور سائنسی لٹریچر کے مطالعے میں خود کو مشغول رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

جلیل نظامی دوحہ قطر

غزل

سر پھر نہ اٹھا پاؤں ترے در پہ جھکا کر
اتنی تو بلندی مجھے اللہ عطا کر

رکھوں ترے ہر غم کو میں سینے سے لگا کر
چھوڑے گی یہ خواہش مجھے دیوانہ بنا کر

آنسو ہوں تو کر دے کسی دامن کے حوالے
موتی ہوں تو رکھ لے مجھے پلکوں پہ سجا کر

آئینہ دکھانا تو حریفوں کا عمل ہے
اے دوست نصیحت نہیں امداد کیا کر

ہم پیاس بجھانے میں رہے دشت بلا کی
وہ آ بھی گئے جا کے سمندر کو جلا کر

آزرد گئی شوق کی روداد مفصل
ہم اور بھی رسوا ہوئے یاروں کو سنا کر

قدموں سے لپٹ جاتی ہے کمبخت یہ دنیا
دھتکاروں جلیل اس کو جو نظروں سے گرا کر

نیاز جیراج پوری۔اعظم گڑھ(اتر پردیش)

مُسافِر کی دَستک

ہم وہیں سو گئے۔بادلوں کی گھن گرج سُن کر ہم جاگ تو گئے تھے،لیکن آنکھیں کُھلنے کے بعد بھی ہم کچھ دیکھنے سے قاصِر تھے، کیونکہ ہم سَراپا اندھیروں کی دبیز چادر میں لپٹے ہُوئے تھے۔

ہَوا خاموش تھی۔بادل گرج رہے تھے۔ہم اُٹھے اور اندھروں کی دبیز چادر میں لپٹے ہُوئے کسی محفوظ مقام کی تلاش میں سائے کی طرح رینگتے ہُوئے کسی اندھے کُنوے کی طرف گامزن ہو گئے۔اور آگے بڑھتا ہُوا ایک ایک قدم زِندگی کا آخری قدم محسوس ہو رہا تھا۔

یکا یک بُوندا باندی کے ساتھ تیز سے مدّھم ہوتی ہُوئی سَرد پھری ہَوا چلنے لگی۔بجلی چمکنے لگی۔سوتی جاگتی بجلی کی تیز روشنی میں ہمیں ایک کُٹیا نظر آئی، جس میں ایک دِیئے کی مدّھم مدّھم لَو تھرتھرا رہی تھی۔ہم تقریباً دَوڑتے ہُوئے ہانپتے کانپتے وہاں تک پہنچے ہی تھے کہ یہ دِیا ٹھنڈا ہو گیا۔ہم نے ساری قُوتِ بینائی جمع کر کر کے یہ اندازہ لگایا کہ کُٹیا میں بانس کا دروازہ لگا ہُوا ہے، جو کافی بوسیدہ ہو چُکا ہے۔ہم نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو ترتیب دینے کی ناکام کوشش کرتے ہُوئے دروازے پر دستک دی۔مگر جواباً اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ہم نے پھر آواز لگائی ''کوئی ہے۔؟دروازہ کھولیئے''۔ اب بھی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ہم تقریباً مایُوس سے ہو گئے۔دَم بھر گُم صُم رہنے کے بعد ہم نے پھر دَستک دی، آواز لگائی ''کوئی ہے۔۔؟''

پھر وہی مایُوسی۔۔۔۔

''کوئی ہے۔۔۔؟''

کوئی جواب نہیں۔

''کوئی ہے۔۔۔؟''

''کون۔۔؟''۔۔۔۔اندر سے ایک اونگھتی ہُوئی نحیف سی آواز آئی۔

''مُسافِر''ہم نے جواب دِیا۔

''دروازہ کُھلا ہے۔''

ہم کُٹیا میں داخِل ہو گئے۔

''اِس جان لیوا رات میں کہاں جا رہے تھے۔؟''کسی نے کراہتے ہُوئے ہم سے پہلا سوال کیا۔

''اپنے گھر۔!''ہم نے جواب دِیا۔

''گھر ۔۔۔!''زمین پر لیٹا ہُوا مجسّم سایہ نُما آدمی قدرِ حیران ہُوا،اور اِشارے سے ہم سے بیٹھ جانے کو کہا۔

''شکریہ!۔۔۔ہم آپکا یہ احسان زِندگی بھر نہیں بُھولیں گے۔''

''زِندگی بھر۔۔۔۔؟''وہ کچھ دیر تک بدبُداتا رہا۔زِندگی بھر۔۔۔۔۔۔

کُٹیا میں قید اندھیروں سے ہم بہت جلد مانوس سے ہو گئے۔اور اب ہمکو پورا یقین ہو گیا کہ ہم اِن اندھروں میں بھی کچھ، بلکہ بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ ایک مَیلا کُچیلا آدمی زمین پر پڑا ہُوا ہے،جس کے جسم سے ایک عجیب سی بُو آ رہی ہے۔بار بار بہت غور سے دیکھنے کے بعد بھی ہمارے لئے یہ فرق کرنا ناممکن کی حد تک مُشکل تھا کہ یہ ایک زِندہ آدمی ہے یا ایک زِندہ لاش۔؟ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حرکت کر سکتا ہے، جب کہ لاش حرکت نہیں کر سکتی۔

وہ آدمی مسلسل کھانستے ہُوئے ہم سے باتیں کرتے رہنے کی کوشش کیئے جا رہا تھا۔ ہم اُسکی طرف دیکھے بغیر اُسکی ہاں میں ہاں مِلاتے رہے۔ چاہتے ہُوئے بھی اُسکی طرف دیکھنے کی ہمّت نہیں کر پا رہے تھے، کیونکہ اُسکا چہرہ بہت ہی خوف ناک ہو رہا تھا۔ اُسکی آنکھیں کچھ زیادہ ہی سُرخ ہو رہی تھیں، جیسے اُسکے جسم کا سارا لہو آنکھوں میں جَم کر رہ گیا تھا۔ اُسکی حالت اور کیفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے سانس لینے میں دُشواری ہو رہی ہے۔

رُک رُک کر اٹک اٹک کر باتیں کرتے ہُوئے وہ تیز تیز کھانسنے لگا اور کھانستا ہی رہا۔۔ پھر کُٹیا میں قید اندھروں کی طرح خاموش ہو گیا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اُسے جھنجوڑنے کی کوشش کی، مگر اُسکو چُھوتے ہی ایسا لگا، جیسے ہمارے ہاتھ گل جائیں گے۔ اُسکا جسم برف ہو رہا تھا۔ رگیں اکڑ رہی تھیں۔ ہمارے ہاتھ تھرتھرانے لگے۔ پورا جسم کانپنے لگا، کلیجہ مُنہ کو آنے لگا، آنکھیں جھپکنا ہی بُھول گئیں۔ ہم نے خود کو سنبھالتے ہُوئے وہاں سے بھاگ جانا چاہا، مگر نہ جانے کیوں ہمیں ایسا محسوس ہُوا جیسے کُٹیا ہمارے قدموں سے لپٹی ہُوئی سِسک رہی تھی اور سِسک سِسک کر ہم سے کہہ رہی تھی "مجھے چھوڑ کر نہ جایئے، مَیں اُجڑ جاؤنگی، ویران ہو جاؤنگی۔ مَیں۔۔۔ آپ۔۔۔۔ مَیں۔۔۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے قدم خود بخود رُک گئے۔ ہمارے وجود میں ایک طُوفان سا برپا ہو گیا۔ بادل گرجنے لگے۔ بُوندا باندی کے ساتھ سَرد پھری ہَوا چلنے لگی۔ بجلی چمکنے لگی۔ شاید دُھواں دھار بارش ہونے ہی والی تھی۔ اندھیرے آنکھوں میں چُبھنے لگے۔ آنکھوں میں خون سا جمنے لگا۔ سانسیں بے ترتیب سی ہونے لگیں۔ ہم نے اُفتاں وخیزاں لپک کر بانس کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے جیسے کسی مُسافر کی دستک کے منتظر کُٹیا کی سِسکیاں سُنتے سُنتے وہیں سو گئے۔

آفتاب عالم رضوی کلکتوی/کلکتہ

غزل

شمس کو شمع دِکھانے سے بھلا کیا ہوگا
شور باطل کے مچانے سے بھلا کیا ہوگا

جس کو آتا ہے ہنر آگ پہ چلنے کا اسے
خوف کانٹوں کا دلانے سے بھلا کیا ہوگا

وقت بدلے گا تو خود نقشہ بدل جائے گا
خواب آنکھوں میں سجانے سے بھلا کیا ہوگا

تیری صورت سے عیاں ہے ترے دل کا مطلب
لفظ ہونٹوں میں دبانے سے بھلا کیا ہوگا

میرے اطراف میں صیاد بہت ہیں پیارے
گیت الفت کے سنانے سے بھلا کیا ہوگا

جس کے سینے میں بھڑکتا ہے حسد کا شعلہ
اس کو احساس دلانے سے بھلا کیا ہوگا

پھیر کر منھ جو حقیقت سے چھپا بیٹھا ہے
اس کو آواز لگانے سے بھلا کیا ہوگا

چلیئے ویران شہر میں کوہ خیمہ گاڑیں
ایسے آباد ٹھکانے سے بھلا کیا ہوگا

تجھ کو آقا ﷺ نے زمانے میں آفتاب کیا
آنکھ ذروں کے دِکھانے سے بھلا کیا ہوگا

آبیناز جان علی۔موریشس

میں سانولی ہوں!

''تمہارے ساتھ جو لڑکیاں آئی ہوئی ہیں وہ تو گوری ہیں۔ تمہارا رنگ اتنا سانولا کیوں ہے؟'' مالک مکان کی باتوں سے سمیرہ اچنبے میں پڑ گئی۔ اس غیر متوقع سوال پر صرف اتنا کہہ پائی:

''دھوپ میں زیادہ رہتی ہوں۔''

''تمہیں سب معلوم ہے۔'' مالک مکان ہنسنے لگا۔

سمیرہ کو واقعی دھوپ میں رہنا پسند تھا۔ اسکول کے دنوں میں موریشس کے آسمان کی نرم دھوپ اس کی جلد اور اس کے دل کو گرماہٹ پہنچاتے۔ وہ سورج کی ان تیز شعاعوں میں خود کو محفوظ محسوس کرتی۔ اسکول کے احاطے کی پناہ کے اندر وہ بنچ پر بیٹھی اپنی انگریزی ادب کی کتابوں کے ہمراہ اپنے قلب و ذہن میں طمانیت اور سکینہ کا والہانہ استقبال کرتی۔ وہ اپنے جوتے سے ہری گھاس کو مسلتی اور اس کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں بساتی۔ کلاس میں وہ وقفے کا بے صبری سے انتظار کرتی تا کہ دھوپ میں بیٹھ کر وہ قدرت سے ہم آہنگ ہونے کا تجربہ کر سکے۔ کبھی کبھی خیالوں کی دنیا میں کھو کر وہ خود کو ایک پودا مانتی۔ وہ پودا آفتاب کی روشنی سے اپنی غذا حاصل کر رہا تھا اور اس طرح وہ پروان چڑھتا جاتا ہے۔

وقفے کے ختم ہونے کی گھنٹی اس کی روح کو جیسے کچل ڈالتی۔ سمیرہ کا پڑھائی میں دل ضرور لگتا تھا۔ شکسپیر اور چاوسر کی کتابوں کی ورق گردانی میں وہ رات دن ایک کر دیتی تھی اور اچھے نتائج بھی حاصل کرتی۔ پھر بھی انگریزی کی کلاس میں جانے سے اس کا دل کراہتا تھا۔

''جمیلہ اور نادرہ تمہارے چلنے کے انداز کا مذاق اڑا رہی تھیں۔'' جبین نے سرگوشی کرتے ہوئے لائبریری میں اس کو بتایا تھا۔

''میرے چلنے کے انداز میں ایسی کیا خرابی ہے؟'' سمیرہ نے پوچھا تھا۔ اس نے اپنے الفاظ میں اپنی پریشانی کو پوشیدہ رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔

''تم چلتے وقت ذرا کم ہاتھ ہلایا کرو اور سیدھی چلا کرو۔''

سمیرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے اپنی کتاب کے پیچھے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ کتاب پر جلی حروف میں لکھا ہوا عنوان عیاں تھا: 'اوتھیلو'

اپنے خیالات کی دنیا میں سمیرہ ڈیسڈومینو اور اوتھیلو کی ناکام محبت پر اپنی توجہ مرکوز کرنے لگی۔ دوسروں کی تکلیف پر دھیان دینا کم تکلیف دہ ہوتا ہے۔ سمیرہ کا پارہ ایک سو دس ڈگری چڑھنے لگا۔ ''اوتھیلو کتنا بے وقوف ہے۔ لاگو کے کہنے پر اس نے مان لیا کہ ڈیسڈومینو بے وفا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کا رنگ کالا ہے اور اس کی بیوی گوری ہے؟ سمیرہ نے جبین سے نظریں چھڑاتے ہوئے کہا۔

''خاموشی اختیار کریں۔ لائبریری میں بات کرنا منع ہے۔ اپنی دوسری سہیلیوں کا بھی لحاظ رکھیں جو محنت سے پڑھائی کر رہی ہیں۔ رادھکا میم نے تختی سے سمیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رادھیکا میم اس نوکری سے پریشان ہو گئی ہیں۔ دن بھر ان بداخلاق طالبات پر چلاتے ہوئے شام تک اس کا گلہ بیٹھ جاتا ہے۔ جب یہ آتی ہیں تو ساری کتابیں یہاں وہاں چھوڑ جاتی ہیں۔ کبھی میزوں پر، تو کبھی طاق پر رسالے اور کتابوں کو بے ترتیب کر جاتی ہیں۔ ایکبار تو مجلات سے چند صفحات غائب تھے۔ بعض میں سے تصویریں بے دردی سے پھاڑ دی گئی تھیں۔ ہر روز اس وسیع کمرے کی لاتعداد طاقوں کی صفائی کرتے کرتے دھول سے اس کی ناک اور حلق چھیل جاتا تھا۔ 'یہ اسکول کی بچیاں ہیں یا شیطان کی نانیاں؟' یہ ہمیشہ کرسیوں کی ترتیب کو برہم کرتی ہیں۔ اب پچاس میزوں اور سو سے زائد کرسیوں کا حساب بھی رادھیکا میم کو لگانا پڑتا تھا۔ بگڑ کر رادھکا میم نے اپنا کمپیوٹر بند کیا۔ وہ اپنی میز سے اٹھی اور طاق پر کتابوں کی نظامت میں منہمک ہو گئیں۔ وہ سمیرہ

کی طرف بڑھی اور سمیرہ کی کرسی کے پیچھے لکڑی کی طاق سے فرانسسی اور انگریزی کتابوں کو علیحدہ کرنے لگیں۔

سمیرہ کا چہرہ اور سرخ ہوگیا۔ اسکول کی بس میں وہ دائیں جانب بیٹھ گئی جہاں سہ پہر کے سورج کی تیز کرن کی جانی پہچانی گرماہٹ سے اسے خوشی ملتی۔ جیسے سورج کی وہ کرنیں اس کی جلد کی معرفت تمام کدورتوں اور دن کے منفی تجربات کے اثرات کو خارج کر رہی تھیں۔

اسکول کے یہ تمام واقعات کو یاد کرتے ہوئے سمیرہ اپنی نئی دہلی کے فلیٹ کا زینہ چڑھنے لگی۔ مالک مکان کی حقارت آمیز کلمات سے اس کا دل بھر آیا۔ اوپر نسرین عادلہ کے کمرے میں ہوگی۔ عادلہ کا کمرہ تو جیسے نسرین کا ہی ہو کے رہ گیا۔ دونوں ساتھ میں کالج کا کام کرتیں۔ وہ دونوں ساتھ میں کھانا کھاتیں، ساتھ میں نماز پڑھتیں اور اب تو نسرین نے اپنا پلنگ بھی عادلہ کے کمرے میں منتقل کر دیا تھا۔

فلیٹ میں داخل ہوتے ہی دونوں کی باتیں سمیرہ کے کانوں میں پڑیں۔ ''امتحان کے فوراً بعد گھر واپس جانا ہے۔ دن پلک جھپکتے گزر جائیں گے۔ وقتاً فوقتاً خریداری مکمل کر لینی چاہئے۔ سب کچھ خریدنا ہے: کپڑے، گہنے، فیرنیس کریم۔۔۔''

''ارے فیرنیس کریم کی خریداری ہم کیوں کریں؟ یہ کام کسی اور کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔'' نسرین نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس پر عادلہ ہنسنے لگی۔

سمیرہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اپنا بستہ تیار کیا اور ورزش گاہ کے لئے روانہ ہوئی۔ پارک سے گزرتے ہوئے ہندوستانی بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر وہ سوچنے لگی 'یہاں کے بچے کتنے توانا اور تندرست ہیں۔ کھیل کے دوران وہ پوری توانائی سے گھنٹوں مسلسل جدوجہد کر پاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو یہاں تازہ دودھ ملتا ہے۔ کھانے میں دیسی گھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کے پھل، سبزی، مرغی اور انڈے تازہ ہیں۔ ملاوٹ کا نام و نشان نہیں تھا۔ سمیرہ پارک کے بغل والے جوس کی دکان سے گزری۔ دکاندار سامنے منتظر گاہک کے لئے گاجر کا جوس تیار کر رہا تھا۔ دکان میں انواع و اقسام کے پھل سلیقہ مندی سے سجائے گئے تھے۔ گاجر کو مشین میں پیس کر گلاس میں انڈیلنے کے بعد اس میں مسالے کی چاٹ کو ایک چھوٹی چمچ کی مدد سے اچھی طرح ملایا۔ پھر سامنے والے آدمی کو گلاس دے کر بیس روپے لے لئے۔ واقعی ہندوستان میں انسان کو تندرست رکھنے کے کئی ذرائع ہیں۔

ورزش گاہ میں ٹریڈمل پر چلتے ہوئے سمیرہ نے زور سے کہا: 'میں سانولی ہوں اور فیرنیس کریم استعمال کرتی ہوں۔ تو کیا ہوا؟ میں پتلی ہوں۔'' اس خیال سے اسے ذرا راحت ملی۔

چھٹیوں میں سمیرہ نے غور کیا کہ اب موریشس میں زیادہ گرمی پڑتی ہے اور یہاں زیادہ دیر دھوپ سیکنا بھی مناسب نہیں۔ موسمیاتی تندیلی نے جیسے سورج سے سمیرہ کا رشتہ منقطع کر دیا تھا۔

سمیرہ جب اپنے دو بھائیوں کے ساتھ سمندر کے کنارے جاتی تو وہ چھاؤں میں فلاؤ کے درخت کے نیچے بیٹھی ان کو ذرا حسرت سے تکتی۔ اس کے جڑواں بھائی اس سے دو سال چھوٹے تھے اور بالکل والدہ پر گئے تھے۔ وہی لمبا قد، چھوٹی ناک، گہری بھوری آنکھیں، چھوٹی ٹھوڑی، اونچا ماتھا اور سفید جلد۔۔۔ سمیرہ کی والدہ شیرین کو اپنے دونوں بیٹوں پر بڑا ناز تھا۔ ان دونوں کی پیدائش سے جیسے ماں کی نئی زندگی شروع ہوگئی۔ ریاض اور ریحان کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا۔ گھر میں انہیں کی پسند کا کھانا بنتا اور سمیرہ کچھ نہیں کہہ پاتی۔ جو کچھ بنایا جاتا، اسی سے چپ چاپ اپنا پیٹ بھرتی۔ سمیرہ کے ابو ادریس نے تو اسے یہی سکھایا ہے کہ ماں کے پیڑوں کے نیچے جنت ہے۔ ماں جو کچھ کرتی ہے اچھا کرتی ہے۔ ماں کو ناراض نہیں کیا جاتا۔ سمیرہ اپنے ابو کی لاڈلی بیٹی تھی۔ آخر وہ تو ابو کی کاربن کاپی تھی۔ وہی رنگ روپ۔۔۔ سمیرہ کی طاقت اسی پر مضمر تھی کہ وہ اپنے ابو کی بیٹی تھی۔

جب سمیرہ کی پڑھائی مکمل ہوئی تو اسے اچھے کالج میں پڑھانے کی نوکری ملی۔ اس کے والدین کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ سمیرہ پچیس سال کی ہونے والی تھی لیکن ابھی تک اس کے لئے کوئی خاص رشتہ نہیں آیا تھا۔

ایک بار فوزیہ بوا ہانپتی ہوئی شیرین کے دروازے تک آئی۔

''کیا ہوا فوزیہ بوا؟۔۔۔ آرام سے سانس لو۔ یہ لو پانی۔ پی لو۔''

''بات ہی کچھ ایسی ہے۔ سمیرہ کے لئے رشتہ لائی ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں نے آج تک ننانوے رشتے کرائے ہیں۔ سمیرہ کی شادی ہوجائے تو میں نے اپنے لئے جنت میں سو گھر بنالئے سمجھو۔''

''یہ تو خوشی کی بات ہے۔'' شیرین نے فوزیہ بوا کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''میری بیٹی کے ہاتھوں میں مہندی لگ جائے۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر چلی جائے، مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہئے؟''

''لڑکا اچھے خاندان کا ہے۔ رائل کالج پورٹ لوئی میں پڑھاتا ہے۔ الحمدللہ حج پر بھی جاچکا ہے۔ اپنے والدین کی بڑی خدمت کرنے والا فرماں بردار لڑکا ہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے۔ کہاں کا رہنے والا ہے؟''

''پورٹ لوئی میں رہتا ہے۔ حسینی خاندان سے ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

اتنے میں سمیرہ باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اس نے فوزیہ بوا کی بلند آواز میں ساری باتیں سن لی تھیں۔

''بس ذرا موٹا ہے۔ لیکن سانولا ہے۔ سمیرہ کے ساتھ اس کی خوب جمے گی۔''

سمیرہ کا چہرہ فق ہوگیا۔

''فوزیہ بوا' میں ایسا لڑکا پسند کروں گی جو خود مختار ہو اور جو اپنے گھر والوں سے الگ گھر میں رہنا پسند کرے گا۔''

سمیرہ نے فوزیہ بوا کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

''اچھا ایک دنداں ساز ہے۔ بہت کماتا ہے۔ اس کا اپنا مکان بھی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس کی طلاق ہوگئی ہے۔ ایک بچہ ہے لیکن ماں کے پاس رہتا ہے۔ تمہیں پورا آرام ملے گا۔''

سمیرہ بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔

''میں کسی کے جھمیلے میں پڑنے والی نہیں ہوں۔ بچہ بھی ہے۔ آج ادھر تو کل ادھر۔ نہیں نہیں۔''

''تو پورٹ لوئی میں ہی لاپے گلی میں ایک اور لڑکا ہے۔ باپ کا مرغی کا کاروبار ہے۔ نہایت ثروتمند ہیں۔ بیٹے کا مکان اوپر تعمیر کرایا گیا ہے۔ وہ باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے۔''

''تو کیا میں مرغی بیچنے والے سے شادی کروں گی؟ اس کے بدن سے تو ہر وقت مرغی کی بو آتی ہوگی۔ اس کے کپڑے مجھے ہی صاف کرنے ہونگے۔''

''دیکھو بیٹی اتنا ناک بھوں چڑھانا اچھی بات نہیں۔ اچھا رشتہ آجکل مشکل سے ملتا ہے۔ تمہاری عمر بھی ڈھل رہی ہے۔ سانولی لڑکیوں کے لئے اچھا رشتہ ملنا آسان نہیں ہے۔''

سمیرہ کو کمزوری محسوس ہونے لگی۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ وہ بغیر کچھ کہے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شیرین نے فوزیہ بوا سے اپنی تکلیفیں بانٹتے ہوئے کہا: ''خدا جلد ہی کوئی اچھا رشتہ بھیج دے۔ اس کا جوڑا بھی تو کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔''

ماں نے بے بسی سے فوزیہ بوا کی تجربہ کار آنکھوں میں راحت تلاش کرنے کی بے سود کوشش کی۔ لیکن فوزیہ بوا کے چہرے کی جھریاں اور سفید بال دلیل دے رہے تھے کہ فوزیہ بوا ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہیں۔ اپنے ہونٹوں کو ارادتاً سل کر وہ دماغ پر زور دینے لگی اور جلد خوش خبری کے ساتھ واپس آنے کی ٹھان لی۔ شیرین افسردہ حال سمیرہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر جاتے ہی اس کے حلق سے آہ نکلی۔ سمیرہ آئینہ کے سامنے کھڑی تھی۔ دائیں ہاتھ میں لوہے کی سنہری تیز قینچی تھی جو سلونی نے لاجپت نگر بازار سے اس کی منفرد طرز سے متاثر ہوکر خریدا تھا۔

فرش پر سمیرہ کے لمبے گھنے بال منتشر تھے۔ سمیرہ نے کانوں تک اپنے بال کاٹ دئے تھے۔ وہ بال جس کو نانی بچپن میں خوب ناریل کے تیل سے مالش کیا کرتی تھی۔ جس بال کو بچپن میں کترنے کے لئے ابو سے کئی مرتبہ ڈانٹ بھی کھانی پڑی تھی۔ سالوں کی محنت سے سجائے گئے بال آج زمین پر پاش پاش تھے۔ پھر ایک ایسا دن آیا جب فوزیہ بوا کی محنت رنگ لائی اور خدا نے شیرین کے دل کی دعا قبول فرمائی۔

خلیل روایتی خاندان کا چشم و چراغ تھا جس نے محنت سے ریاضی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ صبر و تحمل اور نرم مزاج لڑکا تھا جو فرصت کے اوقات میں گوشہ نشینی کو ترجیح دیا کرتا تھا۔ اسی باعث اس نے گھر سے تین کلومیٹر دور آبائی زمین پر اپنا مکان تعمیر کیا تھا۔ اس نے سمیرہ کو دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا۔ سمیرہ کا باغیانہ انداز اس کے لئے باعث کشش تھا۔

اتوار کی سہانی صبح فوزیہ بوا خلیل اور اس کے گھر والوں کو سمیرہ کے ہاں لے آئی۔ ان کے ہمراہ خلیل کا بڑا بھائی فیاض بھی تھا۔ دونوں بھائیوں کی شکل ملتی جلتی تھیں۔ ہلکی بھوری آنکھیں، لمبی ناک، موٹے ہونٹ اور رنگت صاف تھی۔ سمیرہ اور خلیل کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو قبول کرلیا۔

خلیل اور سمیرہ کی شادی کے دو مہینے بعد فیاض کی شادی ہوئی۔ اس نے لڑکی پہلے سے پسند کر رکھی تھی لیکن ایمن کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، اس لئے دونوں خاندانوں کو انتظار کرنا پڑا۔ فیاض کی شادی نہایت تزک واحتشام سے ہوئی۔ لوگوں کا کہنا ہے فیاض بڑا بیٹا تھا اسی لئے والدین کی ساری شفقت اور سارا دھیان اسی پر پہلے جاتا۔ پھر شادی کے بعد وہ اپنے ہی والدین کے ساتھ ان کے گھر میں رہنے والا تھا۔ ایمن بھی بے حد حسین اور مہذب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ روزہل کے معتبر تجار میں ایمن کے خاندان کی شمولیت ہوتی تھی۔

ایمن کی شادی کے دو ہفتے بعد اس کی ساس سسر نے گھر پر ایک ضیافت کا اہتمام کیا جس میں ان کے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی گئی۔ فیاض کی والدہ کو لگتا ہے کہ آج کے جدید زمانے میں خاندان کے افراد میں باہمی ربط کی بہت ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گوشت کی بریانی اور مرغ کا پلاؤ تیار کیا۔ ایمن اور سمیرہ نے سلاد تیار کرنے میں مدد کی۔ کھیرا چھیلتے ہوئے ایمن نے غور کیا کہ سمیرہ کے ہاتھوں کے کنگن بہت پیارے ہیں۔

"شادی کے بعد ہم سویٹ زرلینڈ گئے تھے۔ دو دن دبئی میں قیام ہوا۔ خلیل نے وہاں کے سونے کی سوق سے میرے لئے خریدے تھے۔"

"ہاؤ سویٹ۔ تمہاری جلد پر پیلا سونا اچھا لگتا ہے۔ مجھے پلاٹینم پسند ہے۔ اس لئے میری شادی کے تمام گہنے اور انگوٹھی بھی وائٹ گولڈ کے ہی بنائے گئے ہیں۔"

"اچھا۔" سمیرہ خیالوں میں گم تھی۔ سویٹ زرلینڈ کی ایک دکان میں اسے گہرے نیلے رنگ کی گھڑی پسند آئی تھی۔ شیشے کی اس طرف کھڑی سوئیس خاتون نے تجویز پیش کی تھی: "اسی ڈیزائن کا بھورا رنگ آپ کے بھورے ہاتھوں میں زیادہ اچھا لگے گا۔" سمیرہ نے اس گہری نیلی گھڑی کو غور سے دیکھا۔ اس میں سنہری سوئیاں تھیں۔ کمپنی کا نام اور اعداد سنہرے رنگ کے تھے۔ اسے پہننے کے بعد، سلونی کے ہاتھوں میں وہ گھڑی اس قدر زیب دے رہی تھی کہ وہ خاتون بھی ششدر رہ گئی۔

اپنی سوئیس گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سلونی نے کہا: "گیارہ بجنے والے ہیں۔ سب لوگ آتے ہونگے۔"

شام کے وقت گھر کی دونوں بہوئیں تمام مہمانوں کے جانے کے بعد باورچی خانے میں برتنوں کو صاف کرنے میں اور انہیں سلیقے سے سکھا کر رکھنے میں مشغول تھیں۔ ان کے شوہر آنگن کو صاف کر رہے تھے جہاں ظہرانے کا پرتپاک اہتمام ہوا تھا۔ ساس اور سسر اپنے کمرے میں دن بھر کی تھکان کے بعد آرام فرما رہے تھے۔

"عامر چچا بہت مذاق کرتے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے بڑا لطف آیا۔" سمیرہ نے ایمن سے کہا۔

"ہاں وہ تو ہے۔ ڈائریکٹر کا اتنا بڑا عہدہ سنبھالنا آسان نہیں۔ ایسے میں ہنسی مذاق ہی کام کو پرلطف اور آسان بناتا ہے۔"

"ویسے عامر چچا تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے پورے خاندان میں سمیرہ ہی سب سے الگ لگتی ہے۔" سلونی ہاتھ میں کانچ کی پلیٹ کو تولیہ سے صاف کرتے کرتے رک گئی اور پلیٹ کو اسی میز پر چپ چاپ رکھ دیا۔

خلیل اور تم نے بچوں کے بارے میں سوچا ہے؟" ایمن نے اچانک پوچھا۔

"ہم نے ابھی ایسی کوئی منصوبہ بندی تو نہیں کی ہے۔ دیکھتے ہیں خدا کو کیا منظور ہوگا۔"

"مجھے ایک بیٹی چاہئے جو بالکل میری طرح دکھے۔" ایمن نے کہا۔ "میں جب اسے دیکھوں تو گویا آئینے کو دیکھ رہی ہوں۔ میں اس کے ساتھ اپنا بچپن دوبارہ جی لونگی۔"

سمیرہ کے دل میں اس وقت ایک خوف سا بیٹھ گیا۔ خود سے پوچھنے لگی کیا اس کا بچہ بھی اپنی رنگت کے باعث لوگوں سے طرح طرح کی باتیں سنے گا؟ اس خیال سے اس کا دل بیٹھ گیا۔ رات کا کھانا اپنی ساس کے یہاں ختم کرنے کے بعد وہ اور خلیل اپنے گھر چلے آئے۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے خلیل نے اسے اپنی

بانہوں میں لیتے ہوئے کہا: ''تم جیسی بیوی پا کر میں خود کو خوش نصیب مانتا ہوں۔'' خلیل اس کی پتلی گردن کو نرمی سے چومنے لگا۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے سمیرہ نے سکون بھری لمبی سانس لی اور خود کو اپنے شوہر کی آغوش کے حوالے کر دیا۔

زندگی اپنے معمول پر چل رہی تھی۔ سمیرہ کی شادی کو ایک سال پورا ہونے کو آ رہا تھا۔ خلیل گھر کی تمام ذمہ داریوں کا خیال رکھتا۔ یہاں تک کہ مرمت کے کام بھی کر دیتا۔ سمیرہ کو کپڑے دھونے میں تکلیف ہو رہی تھی تو نل کو اوپر چڑھایا گیا۔ کام سے واپس آتے ہوئے گھر کا راشن لے آتا۔ کبھی کبھی کھانا تیار کرنے میں بھی مدد کرتا۔

سمیرہ گھر سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ملازمت کی ذمہ داریوں کو بھی نبھا رہی تھی۔ اگست کا مہینہ تھا۔ اسکول میں اس کی ایک رفیقِ کار نے غور کیا: ''تمہارا رنگ زیادہ سانولا ہو گیا ہے۔''

''سردی کے موسم میں میری جلد اور سانولی ہو جاتی ہے۔'' سلونی نے چڑ کر کہا۔

ان دنوں اس کی طبیعت ذرا خراب سی رہنے لگی تھی۔ مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا۔ وہ زیادہ چیزیں بھولنے لگی تھی۔ کھانے کی کچھ چیزوں کو دیکھ کر قے آنے لگی تھی۔ کبھی کبھی بھوک بھی زیادہ لگتی تھی۔ کھانے پینے کی مہک تیز تر معلوم پڑتی۔ ہر وقت تھکان بھی رہتی۔ چھاتیوں میں اتنا درد تھا کہ ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا۔

شام کو جب خلیل کے ساتھ ڈاکٹر خورشید کے ذاتی مطب میں معائنہ کے لئے گئی تو خون اور پیشاب کی رپورٹ پڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے میاں اور بیوی کو خوش خبری سنائی۔ ''آپ کی زندگی میں ایک نیا مہمان جلد قدم رکھنے والا ہے۔'' خلیل اور سمیرہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سما سکے۔

''لیکن رپورٹ کے مطابق آپ کے جسم میں وٹامن ڈی کی کمی کے باعث ہارمونل انتشار زیادہ ہے۔ آپ کو دن میں کم از کم بیس منٹ دھوپ سیکنے کی ضرورت ہے۔ جلد جتنی ہی بھوری ہو اتنی ہی دھوپ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''شکریہ ڈاکٹر صاحب۔'' سمیرہ نے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

گاڑی میں خلیل نے سمیرہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا: تم نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے۔ اب تمہیں اپنا پورا خیال رکھنا ہے۔'''' ہاں دودھ پینے اور سیب کھانے سے بچے کی جلد اچھی ہو جاتی ہے۔ کریلا اور بینگن کھانے سے پرہیز کرنا ہوگا۔'' خلیل نے سمیرہ کو ذرا حیرت سے دیکھا لیکن کچھ نہیں کہا۔

اگلے روز سمیرہ اسٹاف روم میں ارادتاً اپنی کرسی سے اٹھی۔ اس کے ہاتھ میں اس کی ہری رنگ کی چھوٹی کیتلی تھی جو خلیل نے منگنی کے بعد اسے نذر کی تھی۔ 'تاکہ تم مجھے ہر وقت یاد رکھو' اس کو پکڑتے ہوئے سمیرہ ہمیشہ زیرِ لب مسکراتی ہے۔ وسیع کمرے کی دوسری طرف کمپنی کا واٹر فاؤنٹین تھا جس سے پینے کے لئے گرم اور ٹھنڈے پانی کی سہولت ہو جاتی تھی۔ مہینے کے آخر میں تمام اسٹاف پیسے جمع کر کے کمپنی سے پانی منگواتے ہیں۔ وہ یاسمن کی میز سے گزری جو جغرافیہ کا سبق تیار کر رہی تھی۔ سمیرہ کو دیکھتے ہوئے وہ سر اٹھا کر نظر التفات سے سمیرہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ 'کیسی ہو یاسمین؟'

''یار مت پوچھ۔ آجکل بچوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اتنے شیطان ہو گئے ہیں۔ پچھلے روز پولیس کو بلانا پڑا۔ آج صبح ہی وہ دسویں اے کی کلاس آسمان سر پر اٹھا رہی تھی۔ معلوم پڑا دو لڑکے آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہی عامر اور حسین ہمیشہ کی طرح انہیں بس لڑنے کے لئے بہانے چاہئے۔ میں تو کہتی ہوں ان کی کلاس کو الگ کر دینا چاہئے۔''

''عامر سنا ہے اس کے والدین کی طلاق ہونے والی ہے۔ اب بچے گھر پر والدین کو لڑتے ہوئے دیکھیں گے تو اور کیا سیکھیں گے؟ حسین کا بھائی اس سے عمر میں دس سال بڑا ہے۔ دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے ہیں۔ بڑا بھائی چھوٹے پر حکم چلاتا ہے۔ وہی غصہ وہ اسکول میں دوسرے بچوں پر نکال رہا ہے۔''

''اوپر سے فلموں اور طرح طرح کی وہشت بھرے گیمز کا بھی قصور ہے۔ دن رات اپنے فون اور پلے اسٹیشن پر ایسے لڑائی والے کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ تو ان پر کیا اثر پڑے گا۔''

''سہی کہا۔ والدین کو اپنی ذمہ داری نبھانی ہے۔ ہر حال میں بچوں کی صحیح تربیت ضروری ہے۔'' سمیرہ نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اوہ تو بج گئے۔ مجھے جلسہ تقسیم انعامات کی میٹنگ میں

جانا ہے۔'' یاسمن کا گوراچہرہ ذرا گلابی ہوگیا اور وہ جلدی اپنا سامان سمیٹ کر نیچے ریکٹر کے دفتر کی جانب چلی گئی۔''

سمیرہ نے دل ہی دل میں سوچا ہمیشہ انہیں کو ساری ذمہ داریاں سونپی جاتی ہے۔ سب لوگ ان کی ناز برداریاں کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ سفید جلد سے خود اعتمادی آتی ہے۔ ماں باپ تو کیا پورا معاشرہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ جب کسی کمرے میں داخل ہوتی ہیں سب کی نظریں انہیں کی طرف جاتی ہیں۔ سمیرہ ایک آہِ سرد بھر کر اپنی جگہ پر چلی گئی اور چائے بنانے میں منہمک ہوگئی۔

گذشتہ زمانے میں کسی کی رنگت سے اس کا سماجی عہدہ معلوم پڑ جاتا تھا۔ جو دھوپ میں مزدوری کرتے ان کی جلد جھلس جاتی جبکہ مالک مکانوں کے اندر رہتے۔ یہ ذہنیت آج بھی لاشعوری طور پر برقرار ہے۔

اس شام خلیل ذرا دیر سے گھر آیا تھا۔ آجکل گھر سے دیر آنا ذرا معمول بن گیا تھا۔ ہر بار وہی دلیل: ''آفس میں کام بڑھ گیا ہے۔ نیا منیجمنٹ آگیا ہے۔ ویسے بھی فرانسیسی کمپنی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم فرانسیسی نظام اوقات کے مطابق کام کریں۔''

سمیرہ نے پہلے تو کچھ نہیں کہا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے اور بچہ کے آنے کا دن نزدیک ہوتا گیا خلیل کی غیر موجودگی اسے ذرا کھلنے لگی۔ سمیرہ نے یہ بھی غور کیا کہ خلیل سجنے سنورنے میں زیادہ وقت لگاتا ہے۔ گھر سے نکلتے وقت پورا کمرہ اس کی مہنگی فرنچ خوشبو سے معطر رہتا۔ اس نے اپنے لئے کئی قمیصیں بھی خریدی تھیں۔

اسکول کی چھٹیوں میں سمیرہ کا ساتواں مہینہ چل رہا تھا۔ خلیل غسل خانے میں دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ سمیرہ فون اٹھانے والی تھی کہ فون کٹ گیا۔ اس کے بعد ایک میسج اسکرین پر آویزاں ہوا۔

''ہم آج ملتے ہیں۔'' معلوم نہیں کس کا نمبر تھا لیکن سمیرہ کا دل بے چین ہوگیا۔

''تمہارا فون تھا۔''

''اچھا کوئی بات نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ دفتر پہنچتے ہی میں دیکھ لوں گا۔'' خلیل تیار ہونے لگا۔

''سنو آج گھر ذرا جلدی آجاؤ۔ مجھے ہسپتال کے لئے بیگ تیار کرنا ہے۔ پھر بچے کے کمرے کے لئے اتنا سارا سامان بھی لینا ہے۔''

''آج ممکن نہیں ہوگا دیر۔ نئے پروجیک پر کام کرتے کرتے دیر ہو جائے گی۔ تم فکر مت کرو۔ سارا کام ایک ساتھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آہستہ آہستہ سب ہو جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے خلیل نے سمیرہ کے گال پر ایک ہلکہ سا بوسہ دیا اور آن واحد میں گھر سے نکل گیا اور سمیرہ کو مرکزی پھاٹک کے کھلنے اور گاڑی کے موٹر کے گونجنے کی آواز آئی۔

سمیرہ کا شک اب یقین میں بدل گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نمودار ہوئے۔ ''یہ تو ہونا ہی تھا۔ خلیل جیسے خوبرو اور ملنسار نوجوان پر تو کسی کا بھی دل آسکتا ہے۔''

اس رات کا کھانا بھی سمیرہ کو اکیلے کھانا پڑا۔ خلیل جب دس بجے آیا تو سمیرہ سو چکی تھی۔ سمیرہ نے صبح غور کیا کہ رات کا کھانا ویسے ہی پڑا تھا۔

''میں اپنی ماں کے گھر جا رہی ہوں۔ زچگی کی چھٹیوں میں میں وہی رہوں گی۔ امی میرا خیال رکھ پائیں گی اور بچے کا بھی۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ مناسب رہے گا۔''

''مناسب رہے گا؟ تم تو میرے جانے سے خوش ہوگے ہی۔ تمہیں اور آزادی جو مل جائے گی۔'' خلیل سمیرہ کو حیرت سے تکتا رہا۔ اس نے حاملہ خواتین کی نفسیات پر کافی کچھ پڑھا تھا۔ سمیرہ کے غصہ کو بڑھتے ہوئے دیکھ کہ وہ کہہ اٹھا ''پریشان مت ہو۔ مجھے معلوم ہے یہ تجربہ تمہارے لئے آسان نہیں لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تمہارے لئے تو سب ٹھیک ہو ہی جائے گا۔''

''مطلب؟''

''کوئی گوری میم مل گئی ہوگی۔''

''سمیرہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' اس نے اپنی بیوی کی دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا، تم جیسی ہو مجھے ویسی ہی پسند ہو۔ میں اپنے خاندان کے لئے خوبصورت دنیا سجانے کی سوچ رہا ہوں۔ میرے ڈائریکٹر سے بات ہو چکی ہے۔ میں گھر سے بھی آفس کے کچھ کام مکمل کر سکوں گا۔ یہ ہمارا بچہ ہے اور ہم ساتھ مل کر اس کے مستقبل کو روشن کریں گے۔''

فروغِ اردو کیلئے کام کرنے والی اہم شخصیات کو علمبردار اردو ایوارڈ

بزم علم وادب کا بارہواں باوقار بین الریاستی علمبردار ایوارڈ تقریب ومشاعرہ کا شاندار انعقاد

محسن خان حیدرآباد۔تلنگانہ

(پریس ریلیز) ریاست تلنگانہ کے نامور ادیب، شاعر وصحافی حضرات کی دیرینہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بزم علم وادب کا بارہواں باوقار ''ریاستی علمبردار اردو ایوارڈ وجلسہ اردو گھر مغلپورہ میں 26 اگست 2021 بروز جمعرات کو اردو گھر مغلپورہ، حیدرآباد میں منعقد کیا گیا۔ڈاکٹر جاوید کمال صاحب (صدر انجمن ریختہ گویان) نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے جلسہ کا آغاز کیا۔مولانا رحیم الدین انصاری صدر نشین تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی، پروفیسر مجید بیدار (سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ وسرپرست بزم)، صدر بزم علم وادب ڈاکٹر نادرالمسدوسی، ڈاکٹر م ق سلیم (صدر شعبہ اردو شاداں کالج)، ڈاکٹر سید فضل اللہ مکرم (صدر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی) محمد آصف علی (ہیڈ روبی نیوز)، ڈاکٹر خواجہ مخدوم محی الدین (امبیڈکر یونیورسٹی) کو سب سے پہلے ناظم جلسہ نے اسٹیج پر مدعو کیا۔جلسہ کا آغاز قاری انیس احمد انیس کی قرأت کلام پاک سے ہوا۔ جناب حلیم بابر (معتمد بزم) نے اپنے منفرد مترنم انداز میں نعت شریف سنانے کی سعادت حاصل کی۔استاد سخن جناب یوسف روش نے تہنیتی کلام سنا کر داد حاصل کی۔ڈاکٹر نادرالمسدوسی صدر بزم علم وادب نے خیر مقدمی خطاب میں کہا کہ تمام ایوارڈ یافتگان کے ناموں کا انتخاب ادارہ کی مشاورتی کمیٹی سے طویل مشاورت کے بعد طے پاتا ہے۔ انہوں نے تمام ایوارڈ یافتگان کا تعارف مختصر لیکن جامع انداز میں کروایا اور کہا کہ تمام ایوارڈ یافتگان کے خدمات اور کارناموں کا احاطہ کیا جائے تو بہت وقت درکار ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو دنیا کی زندگی کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی سنوارنا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ اس سال 20 شخصیات کو ریاستی علمبردار اردو ایوارڈ وتوصیف نامہ پیش کیئے جارہے ہیں۔حیدرآباد اور تلنگانہ کے مختلف اضلاع کے علاوہ بیرون ریاست ٹامل ناڈو، مہاراشٹرا اور کرناٹک سے بھی اردو کی مختلف زمروں میں خدمات انجام دینے والوں کا انتخاب کیا گیا ہے اور بزرگ استاد سخن جناب یوسف روش کو ''شہریار سخن'' اور ڈاکٹر م ق سلیم کو'' قطب ادب وصحافت '' کا خطاب دیا جارہا ہے۔انہوں نے کہا کہ خصوصی ایوارڈ کیلئے ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے تین اہم شخصیات حافظ ڈاکٹر خلیل صدیقی (لاتور، مہاراشٹرا)، حافظ ڈاکٹر طیب خرادی (چینئی، ٹامل ناڈو) اور جناب سید تاج الدین (بنگلور) کو منتخب کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد خلیل الدین صدیقی (ریسرچ گائیڈ جے جے ٹی یونیورسٹی راجستھان و مدیر تعلیمی سفر، لاتور) کی اردو خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ کئی ایک ڈگریوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی ہیں جو ان کا امتیاز ہے۔یہ اسکالرس کی مدد کیلئے ہمیشہ آگے آگے رہتے ہیں۔ڈاکٹر خلیل صدیقی نے آئی ایس بی این نمبر کے ساتھ اسکالرس کو فائدہ پہنچانے کیلئے کئی کتابوں کو مرتب کیا ہے جس سے حیدرآباد میں واقع جامعات جامعہ عثمانیہ، مانو اور حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے کئی اسکالرس کو فائدہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر نادرالمسدوسی نے کہا کہ اس پرآشوب دور میں اردو کا رسالہ نکالنا خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر طیب خرادی (صدر شعبہ اردو، نیو کالج چینائی) آن لائن ویبنارس کے ذریعہ اردو کے فروغ کیلئے جدوجہد کررہے ہیں۔ وہ نوجوانوں کو اردو سے جوڑنے کیلئے مختلف اقدامات کرتے رہتے ہیں اور اپنے کالج میں اردو کی سرگرمیوں کیلئے کافی مقبول ہیں۔وہ ایک اچھے شاعر اور ایک بہترین افسانہ نگار کی حیثیت سے شہرہ رکھتے ہیں، ان کے افسانچے سوشیل میڈیا اور اخبارات میں پابندی سے آتے رہتے ہیں۔ریاست کرناٹک (بنگلور) سے تشریف فرما سید تاج الدین اردو کے فروغ کیلئے نوبل نیوز چینل چلارہے ہیں۔ ہندوستان کے تمام علاقوں میں پہنچ کر وہ اردو کا کام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نادرالمسدوسی نے تلنگانہ کے ایوارڈ یافتگان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابتداء میں صرف اضلاع کے لوگوں کے لیے ایوارڈ دیئے جاتے تھے بعد میں حیدرآباد کے اردو کے خدمت گزاروں کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔جس کے بعد سے حیدرآبا داور تلنگانہ کے تمام اضلاع کا احاطہ کیا جانے لگا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس بارہویں ایوارڈ یافتگان میں حیدرآباد سے جناب محمد روف الدین ایڈوکیٹ، جناب نعیم اللہ شریف، ڈاکٹر رؤف خیر، جناب شفیع اقبال، ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد، ڈاکٹر شفاعت علی، جناب محمد قیصر، جناب محمد عبدا لغفار، جناب علی بابا درپن، جناب افتخار عابد، جناب طاہر رومانی، جناب محمد احمد صدیقی، جناب محمد نصراللہ کو اور اضلاع سے جناب مسعود مرزا محشر (ورنگل)، ڈاکٹر شیخ نیاز الدین صابری (محبوب نگر)، جناب رحیم راہی (عادل آباد) کو منتخب کیا گیا۔

ادارہ کی جانب سے حیدرآباد کی دو معزز شخصیات اور دن رات اردو کی خدمت کرنے والے اور چار ہزار مشاعروں میں اپنا کلام پیش کر کے داد وتحسین حاصل کرنے والے استاد سخن جناب سید یوسف روش کو "شہریار سخن" اور سارے ہندوستان کے ادبی صفحات پر اپنے قلم کے ذریعہ تحقیقی اور تنقیدی تبصروں اور مضامین کے ذریعہ متعارف شخصیت ڈاکٹر م۔ق۔ سلیم کو "قطب ادب وصحافت" کا خطاب دیا گیا۔ صدر بزم ڈاکٹر نادر المسدوسی کے تعارفی کلمات کے بعد ناظم جلسہ نے محمد آصف علی (صدر احمد علی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی) کو تقریر کیلئے مدعو کیا۔ محمد آصف علی نے کہا کہ اردو کے خدمت گزاروں کو ایوارڈ کی پیشکشی سے ایک حوصلہ ملتا ہے اور کہا کہ ایوارڈ یافتگان کو چاہئے کہ وہ اردو کی خدمت کو جاری رکھیں اور مزید سرعت پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ نادر المسدوسی صاحب اردو کے لوگوں میں حوصلہ پیدا کر رہے ہیں ورنہ آج ہر طرف لوگ مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس طرح کے مثبت عمل کرتے رہنا چاہئے۔ ڈاکٹر خواجہ مخدوم محی الدین نے کہا کہ اردو گھر میں علم وادب کی ایک شاندار محفل آج سجی ہے۔ کورونا کی وباء کے بعد پہلی مرتبہ اس طرح کی حیدرآباد میں ادب کا بڑا پروگرام منعقد ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کورونا وائرس کی وجہ سے تعلیمی میدان میں آج کی نوجوان نسل دس سال پیچھے ہوگئی ہے۔ انہوں نے نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو اردو کے مختلف کورسیس میں داخلہ کے ذریعہ اردو کے اسکولس اور کالجس کی بقاء کیلئے کوششیں کرنے کی تمام اردو داں طبقہ سے اپیل کی۔ ڈاکٹر م ق سلیم نے تمام ایوارڈ یافتگان کو مبارک باد پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ علم کی کئی شاخیں ہیں اور نادر صاحب ہر طرح کی محفل منعقد کرتے ہیں۔ بارہ سال سے بزم علم وادب کامیابی سے ایوارڈ دے رہی ہے۔ اس طرح کا کام کرنے والے کوئی انجمن نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر م ق سلیم نے کہا کہ حیدرآباد میں بزم علم وادب ایک واحد ادارہ نظر آتا ہے جو گزشتہ بارہ برسوں سے مختلف زمروں (شاعری، ادب، صحافت، تعلیم) میں خدمات انجام دینے والوں کی پذیرائی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح آج ریاست کے علاوہ بیرون ریاست کے بھی اصحاب کو ایوارڈ دیا جا رہا ہے ایک لحاظ سے یہ ریاستی نہیں بلکہ بین الریاستی ایوارڈ کہلایا جائے گا۔ صدر نشین تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی مولانا رحیم الدین انصاری نے کہا کہ ڈاکٹر جاوید کمال بہترین انداز میں نظامت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نادر صاحب نے وقت کی کمی کے پیش نظر تمام ایوارڈ یافتگان پر مختصر روشنی ڈالی ہے ورنہ وہ چاہتے تو پوری رات ان کی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالتے رہتے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر م ق سلیم ایک بہترین نقاد ہیں لیکن تنقید کے ساتھ ساتھ مثبت پہلوؤں کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے اور ان کا کھل کر ذکر بھی کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں اردو اکیڈیمی طلبہ کو اسکالرشپس دیتی تھی جو 23 کروڑ 40 لاکھ روپئے اسکالرشپ ہوتی تھی۔ مدرسوں کیلئے کمپیوٹر کی تقسیم عمل میں لائی جاتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ متحدہ آندھرا کی آخری کانگریس حکومت میں وہ اردو اکیڈیمی کے صدر تھے اور تلنگانہ ریاست کے پہلے صدر بھی وہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حال ہی میں اکیڈیمی کی جانب سے ڈاکٹر م ق سلیم کو کارنامہ حیات ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انہوں نے کہا کہ بزم علم وادب تلنگانہ میں ایک ایسا متحرک ادارہ ہے جو اردو زبان وشعر وادب کے فروغ کے لیے بے لوث خدمت انجام دینے والے شعراء، ادباء، صحافی اور اساتذہ حضرات کی دیرینہ بے لوث خدمات کے اعتراف میں گزشتہ بارہ برسوں سے انتخاب کرتے ہوئے انہیں ریاستی باوقار علمبردار اردو ایوارڈ اور توصیف نامہ پیش کرتی ہے۔ جسے ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نادر المسدوسی کی صدارت میں کمیٹی ہمیشہ سے حقیقی اردو کے خدمت گزاروں کا تلنگانہ کے علاوہ ملک کی دیگر ریاستوں سے بھی اردو کیلئے کام کرنے والوں کا انتخاب کرتی ہے جو قابل ستائش ہے۔ بعد ازاں مولانا رحیم الدین انصاری کے ہاتھوں ایوارڈس وتوصیف ناموں کی تقسیم عمل میں آئی اور گلپوشی وشال پوشی کی گئی۔ ڈاکٹر سید فضل اللہ مکرم (صدر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی) نے کہا کہ ہم کو تنقیدوں کی پرواہ کیئے بغیر اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔ کام کرنے والوں پر ہی تنقیدیں ہوتی ہیں۔ اگر تنقیدوں کے ڈر سے سب خاموش ہو جائیں تو کام کون کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ بزم علم وادب ہمیشہ ادب کے نگینوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایوارڈ پیش کرتی ہے۔ صدر جلسہ پروفیسر مجید بیدار (سرپرست بزم علم وادب) نے کہا کہ بزم علم وادب بہت ہی شفافیت کے ساتھ ریاست وبیرون ریاست میں اردو زبان کے فروغ میں اپنا حصہ ادا والوں کا انتخاب کرتی ہے۔ جس کے لیے بزم کے سبھی ارباب مجاز مبارک باد کے قابل ہیں۔

ادبی اجلاس کے بعد بزم علم وادب کے زیر اہتمام سالانہ ادبی مشاعرہ کا عظیم الشان پیمانے پر حضرت صوفی سلطان شطاری کی صدارت اور ڈاکٹر نادر المسدوسی صدر بزم کی نگرانی میں انعقاد عمل میں آیا۔ حیدرآباد اور اضلاع کے نامور شعرا نے مشاعرہ میں شرکت کی اور کلام سنا کر داد وتحسین حاصل کی۔ نظامت کے فرائض نائب صدر بزم جناب فرید سحر نے بحسن وخوبی انجام دیئے۔ مہمانان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر محسن جلگانوی، مسرور عابدی، شفیع اقبال، طاہر گلشن آبادی، ظفر فاروقی اور ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق نے شرکت کی۔ مشاعرہ کا آغاز نعت گو شاعر اکبر خان اکبر کی نعت شریف سے ہوا۔ یوسف روش (شہریار سخن) نے تہنیتی کلام سنا کر داد حاصل کی۔ مشاعرہ میں حیدرآباد سے صدر مشاعرہ صوفی سلطان شطاری کے علاوہ افتخار عابد، طاہر رومانی، بصیر خالد، ڈاکٹر نادر المسدوسی، فرید سحر، نور الدین امیر، ظہور ظہیر آبادی، ثناء اللہ وصفی کے علاوہ اضلاع کے معزز شعراء اکرام مسعود مرزا محشر (ورنگل)، تاج مضطر (ورنگل)، اظہر کورٹلوی اور رحیم راہی (عادل آباد) نے کلام سنا کر داد حاصل کی۔ آخر میں صدر بزم علم وادب ڈاکٹر نادر المسدوسی نے شعرا اکرام کے علاوہ کثیر تعداد میں موجود سامعین کرام کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا اور اختتام مشاعرہ کا اعلان کیا۔ فرید سحر، ڈاکٹر ناظم علی، حلیم بابر، افتخار عابد، یوسف روش اور محسن خان نے مہمانوں کا استقبال کیا اور احمد بامسدوس اور مصعب بامسدوس نے تقریب کے انتظامات میں حصہ لیا۔

تقریب میں معززین بحیثیت مہمانان اعزازی شرکت کرنے والوں میں قاضی سراج الدین رضوی، جناب ایم اے حمید، جناب عظمت اللہ خان (سابق ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس)، عثمان بن محمد الہاجری، جناب لیاقت ہاشمی، عارف الدین احمد شامل تھے۔ ان کے علاوہ دیگر معززین میں سید مبارک اللہ برکت (ایڈیٹر انچیف صاحبزادہ ٹائمس)، محمد بشیر الدین (ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر)، ڈاکٹر سید حبیب امام قادری (مدیر ماہنامہ تاریخ وکن)، ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی (مدیر ماہنامہ صدائے شبلی)، ڈاکٹر عبدالقدوس (حسینی علم ڈگری کالج)، ڈاکٹر مظفر علی ساجد، نواب سید برکت اللہ (صاحبزادہ ٹائمس)، محمد سراج (ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ) ودیگر محبان اردو کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ڈاکٹر شکیل احمد اور ''طرازِ قلم''

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

مبصر: **اسامہ ارشاد معروفی قاسمی**
پورہ معروف، مئوناتھ بھنجن (اتر پردیش)

نام کتاب: طرازِ قلم
مصنف: ڈاکٹر شکیل احمد
صفحات: ۱۶۰
قیمت: ۱۲۰/روپے
ملنے کا پتہ: ڈومن پورہ چنگی، مئو ناتھ بھنجن، ۲۷۵۱۰۱، مئو/ رابطہ نمبر 9236722570

طرازِ قلم کے مصنف ڈاکٹر شکیل احمد دیارِ شبلی کی معروف صنعتی شعری وادبی اور علمی سرزمین مئوناتھ بھنجن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا اصل نام شکیل احمد ہے، لیکن علمی وادبی دنیا میں وہ اپنے قلمی نام ڈاکٹر شکیل احمد سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۶/جنوری ۱۹۵۳ء کو مئوناتھ بھنجن کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں مولانا عبدالحئی قاسمی صاحب کے یہاں ہوئی۔ ابتدا سے پرائمری درجات ومنشی تک کی تعلیم مفتاح العلوم اور دارالعلوم مئو میں ہوئی، اور ہائی اسکول سے پی ایچ ڈی تک کی تعلیم بالترتیب مسلم انٹر کالج، ڈی اے وی انٹر کالج، ڈی سی ایس کے پی جی کالج مئو، شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ اور گورکھپور یونیورسٹی گورکھپور میں ہوئی۔ ڈاکٹر شکیل احمد کا اعزاز یہ بھی ہے کہ وہ مئوناتھ بھنجن کے پہلے شہری ہیں جنھوں نے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ان کی زندگی گھریلو مصروفیات، درس وتدریس، ادبی معرکہ آرائیوں، سماجی وسیاسی خدمات میں گزرتی رہی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، لیکن اس جہد مسلسل اور مصروفیات کے باوجود انھوں نے ہمیشہ اپنا رشتہ قلم سے بحال رکھا۔ انھوں نے خاکے بھی لکھے اور انشائیے بھی لکھے، تنقیدی و تحقیقی مضامین تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ خود نوشت بھی لکھی اور سفرنامہ بھی لکھا، اخبارات ورسائل کے علاوہ انھوں نے ریڈیو کے لیے بھی لکھا، ان کی اب تک آٹھ کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں، جن میں اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی، مئو شہر ہنروراں، سمٹتا سائبان، بادل چھاؤں، نشاط قلم، حساب جاں، سفر کی خوشبو اور ''طرازِ قلم'' شامل ہیں۔

ڈاکٹر شکیل صاحب کے یہاں خاص بات یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کردیتے ہیں، وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں بہت چھان پھٹک اور تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں، ان کی تحریر چٹخارے، بناوٹ اور تصنع سے عاری، صاف ستھری اور رواں ہوتی ہے۔ پڑھیے تو پڑھتے ہی جایئے، ان کی خودنوشت ''حساب جاں'' پر تبصرہ رکرتے ہوئے دوماہی گلبن لکھنؤ کے ایڈیٹر سید ظفر ہاشمی لکھتے ہیں، حالانکہ ظفر ہاشمی صاحب بہت بے باک اور جری قسم کے تبصرہ نگار ہیں کسی کو بخشتے نہیں ہیں بہت کم کتابیں ان کے یہاں تبصرے کے لیے آتی ہیں، لیکن

شکیل صاحب کے لیے وہ لکھتے ہیں کہ: ''عموماً سوانح عمری لکھتے وقت لوگ کہانیاں بنتے ہیں اور انھیں چٹخارے کے لیے اپنے بیان میں سجاتے ہیں۔ شکیل صاحب خود پارچہ باف ہیں بہت کچھ بُن سکتے تھے، لیکن انھوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے جتنا اور جیسا ان کے ساتھ گزرا ہے، ایمانداری اور معصومیت کے ساتھ لکھ دیا ہے''۔ (طرازِ قلم، صفحہ ۱۵۲)

اس اقتباس کے بعد آیئے چلتے ہیں ان کی تازہ تصنیف ''طرازِ قلم'' کی طرف۔ طرازِ قلم ڈاکٹر شکیل احمد کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں انھوں نے اپنی ناقدانہ بصیرت اور مثبت سوچ کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اس کتاب میں قلم اور قدم کے عنوان سے مصنف کے ''تعارف'' کتاب کے بارے میں مصنف کی ابتدائیہ گفتگو اور آخر میں مطبوعہ کتابوں پر تبصروں کے علاوہ ۲۳ر مضامین شامل ہیں۔ جن میں (۱) کتاب لکھنؤ کا الوداعی شمارہ (۲) اردو کی ترقی و تدریس کے لیے پروفیسر محمود الٰہی کے اہم کارنامے (۳) اردو رسم الخط اور خوش نویسی کے تحفظ و فروغ میں مدارس کا حصہ (۴) موجودہ تعلیم گاہوں میں اردو کا حال (۵) مئو کی شعری و ادبی روایت (۶) مشرقی اتر پردیش کا فروغِ اردو میں کردار (۷) شبلی کالج کا اختصاص (۸) شبلی کالج اعظم گڑھ کی علمی و ادبی پیش کش (۹) پروفیسر محمود الٰہی کی طنزیہ تحریریں (۱۰) فضا ابن فیضی کی نظموں میں شخصی اور سماجی کرب (۱۱) اقبال سہیل اور قومی یکجہتی (۱۲) عنبر آفاقی کی نظم نگاری (۱۳) نذیر بنارسی کی شاعری میں گنگا اور کاشی (۱۴) کلیاتِ نذیر بنارسی: ایک تجزیہ (۱۵) غزل کا مزاج داں شاعر: جاں نثار اختر (۱۶) اختر مسلمی کی غزلوں میں استفہامیہ اندازِ کلام (۱۷) راشد اعظمی کی شاعری (۱۸) ڈاکٹر شفیق اعظمی ''شہر غزل'' کے حوالہ سے (۱۹) پیام انصاری کی شاعری کا پیام (۲۰) عبداللہ نصر کی شخصیت اور شاعری (۲۱) قابل قدر ادبی کوشش (۲۲) سیف الرحمٰن عباد کے افسانوں میں انسانی کرب (۲۳) رضوان لطیف خاں کا سفرنامہ: ''سفر در سفر'' ایک تجزیہ۔ یہ تھے مضامین کے عناوین، جس سے کتاب کے ادبی و تنقیدی قد کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ تنقید کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تنقید کے بارے میں ڈاکٹر کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ: تنقید کوئی کھیل نہیں جسے ہر شخص بہ آسانی کھیل سکے۔ یہ ایک فن ہے، ایک صناعی ہے۔ فن تو ہر طرح کے ہوتے ہیں مشکل بھی اور آسان بھی۔ لیکن تنقید مشکل ترین فن ہے''۔

''طرازِ قلم'' کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر شکیل احمد نے اپنی تحریروں میں اس فن کو بخوبی نبھایا ہے، اور سبھی مضامین کے تحت تنقید و تحقیق میں غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے معیاری و منصفانہ فکر کے ساتھ اپنی تنقیدی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ جو صحت مند تنقید کی امتیازی خصوصیت ہے۔

بہ طور مثال ایک اقتباس دیکھئے جس میں مصنف نے ''فضا ابن فیضی کی نظموں میں شخصی اور سماجی کرب'' عنوان کے ضمن میں فضا صاحب کی مشہور نظم ''مرا شہر، مرے شہر کے لوگ'' کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''دو ہائیوں تک ایک جیسے موضوع پر خامہ فرسائی کرتے رہنے، حالات کے جبر کو قریب سے دیکھتے رہنے اور موضوع کی مناسبت سے الفاظ اور لہجہ منتخب کرتے رہنے کے دوران جب فضا صاحب نے اپنے شہر اور یہاں کے ساکنان اور ماحول پر اظہار خیال کیا تو اس شہر کے بھی صرف تاریک، مایوس کن اور منفی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ احساس کی شدت میں انھیں اپنے شہر کے خوش آیند گوشے اور مثبت پہلو متاثر نہ کر سکے۔ حالانکہ اس شہر نے فضا صاحب کو علم و آگہی اور فکر و فن کے ماحول سے نوازا۔ کسب حلال کے مواقع نصیب فرمائے۔ مخلص حلقۂ احباب بھی نصیب ہوا، پھر بھی انھیں ''مرا شہر، مرے شہر کے لوگ'' کی کوئی ادا نہیں پسند آئی۔ ۱۹۶۷ء میں لکھی اس نظم کے متفرق اشعار اور مصرعے کے مطالعہ کے بغیر فضا صاحب کی سماجی بصیرت اور بیداری کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ درجنوں نظموں کی طرح اس نظم میں بھی طنز کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ اشعار دیکھیں۔

قابل دید مرے شہر کے نظارے ہیں
یہ سرِ راہ عفونت کے مہکتے انبار
ہر قدم پر یہ سلیقے کی کمی کا احساس
پھول تہذیب و روایات کے کملائے ہوئے ہیں
سست ہر موڑ پہ تحریکِ عمل کی رفتار
تیز ہر گام پہ تخریبِ جنوں کی کوشش
اپنے ماحول سے بیزار سی دانش گاہیں
اپنے احوال سے اکتائے سے ارباب نظر
گفتگو، چھلکے کوئی زہر کا ساغر جیسے
دوستی، پیار کرے زخم کو نشتر جیسے
آگہی، برسے دل و ذہن پہ پتھر جیسے
آستینیں ہیں لچکتا ہوا خنجر جیسے

اس طرح یہ ایک لمبی نظم ہے، نظم کے آخر میں ڈاکٹر شکیل احمد لکھتے ہیں کہ کاش فضا صاحب نے اس نظم میں شہر اور شہر کے لوگوں کی کچھ مثبت باتیں بھی شامل کردی ہوتیں تو اس یادگار اور اچھوتی سماجی نظم میں شہر کی مکمل تصویر سامنے آجاتی''۔ (طرازِ قلم، صفحہ ۷۷)

اسی طرح مصنف ''موجودہ تعلیم گاہوں میں اردو کا حال'' کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مدارس میں اگرچہ گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ سطح کی اردو تعلیم کی ڈگریاں نہیں دی جاتیں، لیکن مدرسہ بورڈ کے مساوی امتحانات میں انھیں اسی سطح کی اردو تعلیم دی جاتی ہے، یہ طلبہ وطالبات اردو کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کالج یا یونیورسٹی میں اردو کے اچھے اسکالر ثابت ہوتے ہیں۔ مدرسہ سطح کی اردو تعلیم میں مضمون نویسی، خوش نویسی، قواعد اور عروض پر ماضی کی طرح آج بھی توجہ دی جارہی ہے، حالانکہ جہاں تہاں لائق اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اس کے بہتر نتائج متاثر ہورہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مدارس میں بھی ٹرینڈ اردو اساتذہ کی تقرری یقینی بنائی جائے۔ کمپیوٹر کی تعلیم بھی مدارس میں شروع ہوچکی ہے۔ جہاں اس کا انتظام نہیں ہے وہاں کے طلبہ پرائیویٹ اداروں میں کمپیوٹر سیکھ کر اردو کی ترویج میں حصہ لے رہے ہیں، مدرسہ کی اردو تعلیم کی بنیاد پر جامعہ اردو اور دیگر اداروں کے امتحانات میں بھی طلبہ وطالبات شریک ہوتے ہیں اور نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں''۔ (طرازِ قلم، صفحہ ۳۱)

بہرحال میں ڈاکٹر شکیل احمد صاحب کو اس معیاری کتاب کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب تنقیدی منظرنامے پر اضافہ کی حیثیت رکھے گی اور ادبی دنیا میں پذیرائی حاصل کرے گی۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.....گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر و عافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سو ستائیس (327) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جا چکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے، ابھی اس مد میں ادارہ دس لاکھ کا مقروض ہے۔آئندہ ماہ سے ان شاءاللہ تعمیری کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

Bank Name: IDBI CURENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Sep. 2021

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com